فصلنامه

راہ اسلام

شمارہ : ۱۹۱ - جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ۔ ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی -۱۱۰۰۰۱
فون : ۲۳۳۸۳۲۳۲،۳۳،۳۴
فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷
http://www.iranhouseindia.com
e-mail:director@iranhouseindia.com

* ایڈیٹر،پرنٹرو پبلشر:

جلال تملہ

*معاونین علمی:

ڈاکٹر علی محمد نقوی

ڈاکٹر اختر مہدی رضوی

*معاونین فنّی:

*تزئین کار : مجید احمدی وخانم عائشہ فوزیہ

*کمپوزنگ : قاری محمد یاسین

* پریس: اے۔ ایس ٹائپ سیٹر

4903 گراؤنڈ فلور، چاندنی چوک دہلی۔٦

* ناشر : خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۱۸۔تلک مارگ۔نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۱

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مقالے کا اسلامی جمہوریہ ایران
کے نظریات کے مطابق ہونا لازمی نہیں ہے۔

خالی

فہرست

❀ اداریہ		ادارہ	٦
❀ اسلام میں آزادی کا تصور	اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں آزادی	:آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای	٩
❀ انقلاب اسلامی ایران	نور کا دھماکہ	:محمد رضا رجب نژاد	٣٢
	اسلامی جمہوریہ ایران میری نظر میں	:پروفیسر محمد اختر صدیقی	٣٥
❀ عقائد شناسی	اسلامی فرقے	:پروفیسر جعفر رضا	٥٦
	تعزیہ وگریہ اور مسئلہ بدعت	:سید زائر حسین کاظمی	٧٦
❀ حدیث شناسی	انسانی معرفت کے حدود	:علامہ محمد رضا حکیمی	٨٥
❀ تاریخ اسلام	پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت کا چوتھا سال	: آیت اللہ جعفر سبحانی	٩٤
❀ اسلام کا اجتماعی نظام	اسلام میں عمر رسیدہ اشخاص کے حقوق	:احمد رفاعی	١٠٦
❀ تہذیب وتمدن	سلاطین اودھ کی عزاداری	:پروفیسر اطہر رضا بلگرامی	١٢٨
	بہار کی یادگار اسلامی عمارتیں	:ڈاکٹر سید شاہد اقبال	١٣٦
❀ شعروادب	کلام اقبال میں قرآنی افکار کا پرتو	:شمیم ارشاد اعظمی	١٥١
	مرثیہ جہاد	:انوار عباس انوار	١٨١

اداریہ:

اسلام میں انسانی حقوق

عصر حاضر میں کسی بھی مسئلہ کا آفاقی اور بین الاقوامی ہونا ایک قطعی اور فطری امر ہے اور ہم مسلمان بھی پرچم اسلام کی ہدایت کے سایہ میں ایک وسیع دنیا کی ایجاد و تشکیل کے دعویدار ہیں اور موجودہ زمانے میں امت اسلامیہ نے عالمی سطح پر جو خدمات انجام دیں ہیں وہ نہایت گرانقدر اور قابل توجہ نوعیت کی حامل ہیں۔ قدرتی وسائل اور فطری منابع کا میدان ہو یا صاحب مہارت انسانی طاقت یا دنیا کے سامنے پیش کئے گئے اہم ثقافتی عناصر کی بات ہر جگہ صلح و گفتگو کا محور و مرکز دکھائی دے گا۔

لیکن آج کی دنیا میں مغربی تہذیب و تمدن کو مکمل غلبہ حاصل ہے کیونکہ غلبہ حاصل کرنے والی زبان، عالمی ابلاغ عامہ کے لازمی وسائل، علمی و تحقیقی مراکز، انسانی حقوق سے وابستہ ادارہ، جمہوریت جیسے اہم موضوع کی خاطر خواہ تعریف وغیرہ مغربی دنیا کی دسترس میں ہیں۔ ایسی صورتحال میں ہم مسلمانوں پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ دوسرے ادیان و مذاہب، مذہبی اقلیت اور انسان کے فطری جغرافیائی اور سیاسی حقوق کے سلسلے میں اسلامی افکار و عقائد سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں اور اس کا مکمل و سیر حاصل تجزیہ بھی لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

اس ضمن میں اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی اور مغربی نقطہ نگاہ میں انسان اور اس کے حقوق کی تعریف کے سلسلے میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ انسان کو پہلا گنہگار تسلیم کرتے ہیں اور انسان کو خطاکار اور گنہگار مانتے ہوئے دیگر مسائل کا تعارف و تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کی خواہش اور ان کے مطالبات کو پورا

کرنے کے لئے سماجی معاہدے کرتے ہیں جس میں طرح طرح کی خوبیاں کے ساتھ ہی ساتھ دنیا پرستی اور مکمل انسان محوری جیسی خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

لیکن اسلامی افکار وعقائد میں انسان خداوند عالم کا منتخب بندہ ہے جس کو خداوند عالم نے عظیم الہی امانت کا حامل قرار دیا ہے اور جو حیات جاوید حاصل کرنے کے لئے اس دنیا میں آیا ہے۔ اس دنیا میں اسے صرف بیج بکھیرنا ہے اور اس کھیتی کی کٹائی تو آخرت میں ہوتی ہے۔ اسلام کی نظر میں خداوند عالم نے ہر مخلوق کو با مقصد خلق کیا ہے اور ہر مخلوق اپنے خصوصی حقوق کی حامل ہے اور انسان کو عام معنی ومفہوم میں خطاب کیا گیا ہے۔ دین کی قبولیت یا تردید کے سلسلے میں کسی قسم کے جبر و اکراہ کو جائز نہیں قرار دیا گیا اور بندوں کے حقوق کو مختلف طبقہ بندیوں کے ذریعہ محفوظ قرار دیا گیا ہے جو عقل اور انسانی تجربات سے پوری طرح میل کھاتے ہیں۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی قسم کی کمزوری یا عاجزی کا مظاہرہ کئے بغیر انسانی تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھائیں کیونکہ انسانی تجربہ کسی ایک قوم وایک معاشرہ یا کسی مخصوص تہذیب وتمدن کی ملکیت نہیں بلکہ پوری انسانی دنیا کی گرانقدر میراث ہے۔ پس ہم لوگوں کو تمام انسانی تجربات سے بخوبی واقف رہنا چاہئے اور اسلامی تعلیمات وافکار وعقائد کی روشنی میں ان کا بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے انھیں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

عمل کا خیال اور عمل کی انتہا دونوں کے سلسلے میں دینی اور غیر دینی نظریہ کے درمیان گہرا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کی وجہ سے اسلام کی نظر میں حقوق کو غیر معمولی وسعت اور زندگی کو خصوصی معنی ومفہوم حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ اسلام میں انسانی حقوق بلکہ جملہ حقوق کی وضاحت کی ذمہ داری مسلمان علماء ودانشوروں پر ہے اور موجودہ دور میں یہ ذمہ داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس وقت اسلام اور اسلامی دنیا مختلف النوع مسائل اور گوناگوں سوالات کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عصر حاضر میں

مسلمان دانشوروں کا فریضہ ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کی زندگی کو عظمت وسعادت وفضیلت سے مالامال کرنے والے گرانقدر اسلامی ذخائر کو دنیا والوں کے سامنے دور حاضر کی رائج زبان میں پیش کریں تاکہ ہدایت ورہنمائی اور نجات ورہائی کی تلاش میں سرگرداں یہ انسانی دنیا حقائق عالیہ الٰہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوجائے۔

☆☆☆☆☆☆

آزادی کا تصور:

اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں

آزادی

از: آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

دوسری قسط

اسلام میں آزادی کی بنیاد اور اس کا مقصد:

اسلامی تہذیب وتمدن میں آزادی کی بنیاد توحیدی آفاقیت پر قائم ہے۔ درحقیقت توحید اپنے ظریف ودقیق معنی ومفہوم کے ساتھ انسان کے آزاد ہونے کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔یعنی جو شخص خدا کی وحدانیت کا معتقد ہے اور توحید کو با قاعدہ تسلیم کرتا ہے اس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ انسان کو آزاد سمجھے پس قرآن کے مختلف سوروں میں موجود انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں (سورۂ انبیاء اور سورہ اعراف میں مختلف انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے) بیان ہوا ہے۔" الی عاد أخاهم هودا فقال يا قوم اعبدوا الله۔"

پہلے مرحلہ میں انہیں خدا سے ڈراتا ہے اس کے بعد خداوند عالم کی اور اس کے نمائندہ کی حیثیت سے خود اپنی اطاعت کی تجویز پیش کرتا ہے۔ درحقیقت تمام پیغمبروں نے سب سے پہلے جس بات کا مطالبہ کیا ہے وہ اطاعت خداوندی ہے۔ واضح لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا کی اطاعت کیجئے اور طاغوت وغیرخدا کی، جو لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، کی اطاعت سے پرہیز کیجئے۔" ان اعبدوا الله واجتنبو الطاغوت۔" قرآن میں یہ موضوع

اسی لفظ اور معنی و مفہوم کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی آزادی توحید پر منحصر ہے۔

یہ نہایت وسیع اور طویل بحث ہے اور سر دست مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ توحید کی اصل روح یہ ہے کہ کسی غیر خدا کی عبودیت اور بندگی کی تردید کی جائے یعنی ہر دین و مذہب اور ہر پیغمبر کی دعوت میں توحید کا نچوڑ یہ رہا ہے کہ غیر خدا کی عبادت نہ کی جائے چاہے وہ غیر خدا نمرود فرعون جیسا کوئی شخص ہو یا کوئی تنظیم و ادارہ یا خود اس شخص کی ذاتی خواہش وہوس یا غیر الٰہی روایت و رواج وغیرہ کی غیر خدا کی اطاعت و عبادت نہ کی جانی چاہئے بلکہ فقط خداوند عالم کی عبادت کرنی چاہئے۔ اطاعت خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کی پیروی کی جائے اور اسی نظام کو تسلیم کیا جائے جو الٰہی بنیادوں پر قائم ہو اور خداوند عالم کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبر کو بھی واجب الاطاعت سمجھا جائے اور جس کو خداوند عالم نے ولی امر قرار دیا ہے اس کو مانتے ہوئے اس کے حکم کی پیروی بھی کی جائے اور زندگی کے ہر شعبہ و مرحلہ میں ہر قسم کی نقل و حرکت کے دوران ان بنیادی باتوں کا بھرپور خیال رکھا جائے اور اس چوکھٹے کے علاوہ کسی کی اطاعت نہ کرے یعنی انسان کسی اور کا نہیں بلکہ صرف خدا کا بندہ ہونا چاہئے۔

اسلام کی آفاقیت میں انسان ایک ایسا مخلوق ہے جس میں کثیر صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ انسان علم و دانش اور حقائق خلقت کے رموز کی تحقیق کے سلسلے میں لامحدود حد تک آگے بڑھ سکتا ہے۔ معنوی مراتب اور روحانی مراحل کی سیر کرتے ہوئے وہ بہت آگے بڑھ سکتا ہے اور اس کی پرواز فرشتوں سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور وہ طاقت کی بلند ترین چوٹی پر پہونچ سکتا ہے۔ اگر انسان خدا کی عبادت و بندگی میں سرگرم رہے تو یہ منزلیں اس کے لئے بالکل آسان ہوجائیں گی لیکن اگر وہ غیر خدا کی عبادت کرتا ہے تو اس کی قوت پرواز سلب ہوجائے گی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہاں تک کہ علم و دانش کے میدان میں بھی توحید انسان کو ابتدائی مرحلہ میں ہی نظر آتی ہے اور وہ اس سے آشنا ہوجاتا ہے۔

صدر اسلام میں اگر چہ چاروں طرف جہالت اور شرک کا دور دورہ تھا پھر بھی مسلمان توحید کی طرف مائل ہوا اور اس نے ایسی آزادی اور عظمت و سربلندی حاصل کی کہ علم و دانش کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے اور وہ آگے بڑھ گیا اور اس کے پیچھے دنیا کے تمام انسان علم کی وادی میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ آج دنیا اور انسانی معاشرہ میں علم و دانش کا جو جلوہ نظر آرہا ہے وہ درحقیقت اسلام اور ان مسلمانوں کی توحید کا مرہون منت ہے جس نے سب سے پہلے علم کی وادی میں قدم رکھا تھا۔

یہ اسلامی آزادی ہے۔ پس اسلام میں آزادی کی بنیاد انسان کی ذاتی قدر و قیمت اور اس کی شخصیت سے وابستہ ہے کیونکہ وہ کسی غیر خدا کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوتا ہے۔ اسلام میں آزادی کی اساس انسان کو طرح طرح کی آزادیاں فراہم کرتی ہے۔ اسلامی ثقافت اور تہذیب و تمدن میں آزاد انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی غیر خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرے کیونکہ اس نے پروردگار عالم کی اطاعت پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ پس جملہ انبیاء بالخصوص اسلام نے پروردگار کی انحصاری عبودیت اور بندگی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) کو مخاطب کرتے ہوئے اس تجویز کو پیغمبرؐ اسلام کے دور میں اس انداز میں پیش کرتا ہے" قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم۔" یعنی اے اہل کتاب! آؤ! ہم لوگ ایک بات پر باہم متفق ہو جائیں اور وہ بات یہ ہے کہ۔" الا نعبد الاّ اللّٰہ۔" یعنی اب ہم میں سے غیر خدا کی عبادت کوئی نہ کرے۔

یہ وہ چیز ہے جو یہودیت، عیسائیت اور تمام ادیان الٰہی میں موجود رہی ہے۔ اسلام حقیقی اور خالق توحید کے علمبردار کی حیثیت سے بعد میں صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ ایک جملہ کہتے ہوئے خداوند عالم کی عبودیت اور بندگی کو مزید روشن اور پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔" ولا نشرک بہ شیئاً۔" یعنی ہم لوگ فقط کسی شخص کو ہی نہیں بلکہ کسی چیز کو بھی خداوند عالم کا شریک نہ بنائیں۔ دوسرے لفظوں میں اپنے مطالبات اپنی خواہش وہوس، خود

پسندی وخود محوری، ظلم واستبداد، رسومات وروایات اور دورِ جاہلیت کی عادات وغیرہ غرضیکہ کسی چیز کو بندگی معبود کا شریک قرار نہ دیں۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے شعبہ میں بات کو اور زیادہ واضح انداز میں یوں پیش کرتا ہے۔'' ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ۔'' یعنی ہم لوگوں میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک وپروردگار اور ارباب قرار نہ دے بلکہ ہم لوگ صرف اور صرف خداوند عالم کو ہی اپنا مالک وخالق ومرورقرار دیں۔ خداوند عالم کے علاوہ کوئی شخص کسی کو اپنا سرور وسردار تسلیم نہ کرے۔ یہ اسلامی نعرہ ہی نہیں بلکہ عالمی اور آفاقی منشور ہے اور ہم دنیائے بشریت کو جس آزادی کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر آج بھی انسان اس آزادی کی طرف متوجہ اور اس پر پوری طرح عمل پیرا ہوجائے، اگر فاسد حکومتی نظام بنی نوع انسان کے کندھوں پر سوار نہ رہیں، اگر ظالم اور خود پسند انسان پوری دنیا میں لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں، اگر دنیا کی بڑی اقتصادی کمپنیاں، بین الاقوامی تجارتی جماعتیں اور ذاتی مفاد ومصالح کی خاطر دنیا کے لاکھوں انسانوں کو مظلومی اور بے سروسامانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنے والے افراد اپنی ظالمانہ روش سے باز آجائیں اور اگر دنیا کے لاکھوں مظلوم انسان ظالموں کے بوجھ کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں تو یقیناً ان کو وہ آزادی حاصل ہوجائے گی جس کی اسلام تمنا کرتا ہے۔ اسلامی آزادی کا مطلب ہے غیر خدا کی غلامی اور بندگی سے مکمل نجات وآزادی اور اسلام جو انسان کو خدا کا بندہ مانتا ہے تمام ادیان ومکاتب فکر پر اسی رجحان کا حامل ہے۔

بعض ادیان میں انسان خدا کا فرزند ہے اور یہ فرزند ہونا محض تکلف کی بنیاد پر ہے۔ انسان خدا کا بیٹا ہے اور دنیا کے ہزاروں دوسرے لوگوں کا غلام بھی ہے۔ آخر خدا کا بیٹا کسی انسان کا غلام کیسے ہوسکتا ہے؟ آخر یہ کیسی فرزندی ہے؟ جبکہ اسلام کہتا ہے کہ انسان فقط خدا کا بندہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم جس کے فرزند بننا چاہو لیکن کسی کی غلامی وبندگی ہرگز تسلیم نہ کرو اور کسی غیر خدا کی اطاعت بالکل نہ کرو۔ درحقیقت اسلامی جہاد کا مقصد بھی یہی رہا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جہاد کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں۔" ایخرج الناس من عبادة العباد الی عبادة الله ومن طاعة العباد الیٰ طاعة الله ومن ولایة العباد الیٰ ولایت الله۔"

غور وفکر کی ضرورت ہے کہ درحقیقت اسلامی جہاد کا مقصد بندوں کی عبادت وبندگی سے نجات فراہم کرتے ہوئے خداوند عالم کی عبادت و اطاعت کی طرف انسان کی ہدایت ورہنمائی کا نام جہاد ہے اور جہاد کا مقصد ملکوں پہ فتح حاصل کرنا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہرگز نہیں ہے۔انسان دنیا کے نام نہاد مالکوں سے بے نیازی اختیار کرتے ہو مالک حقیقی کی بارگاہ عالیہ میں سر تسلیم خم کردے اسی کا نام اسلامی جہاد ہے جس کے سایہ میں انسان دنیوی آقاؤں اور اپنی نامناسب وفاسد خواہشات اور غیض وغضب سے دوری وعلیحدگی کے ساتھ خداوند عالم کی سرپرستی میں آجاتا ہے۔

انسان کے لئے اس سے زیادہ عظمت وبزرگی اور فخر وافتخار کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ بندوں کی بندگی کے بجائے بندگی معبود کا شرف حاصل کرلیتا ہے۔یہی انسان وہ مثالی اور نمونہ روزگار شخصیت ہے جو اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔جو انسان آزاد ہونے کا مدعی ہے درحقیقت اس کی آزادی صرف اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے دل ودماغ اور اس کی عقل وسمجھ کے تمام وسائل وامکانات پہ تسلط قائم کرنے کے بعد ووٹ ڈالنے کا صندوق اس کے سامنے رکھدیتے ہیں اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ چناؤ کے میدان میں موجود امیدواروں کے درمیان میں سے کسی اور ایک امیدوار کے نام کے آگے مہر لگا کر مہر شدہ کاغذکو صندوق میں ڈال دے بس یہی اس کی آزادی ہے جبکہ ہزاروں قسم کی غلامی کی زنجیروں نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھ رکھا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسا شخص قطعی آزاد نہیں ہے۔آخر ایسا شخص آزادی کا دعویدار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ کام کاج، فاسد حکومتی نظام،نفسانی خواہشات، بڑی طاقتوں کے دباؤ اور دنیا کی مختلف اقتصادی تنظیموں کے دباؤ جیسی ہزاروں زنجیروں میں بندھا

ہوا ہے۔ دنیا کی جو قومیں غلامی کی متعدد زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں وہ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ہم آزاد ہیں؟ ان کے پاس آزادی کی دولت موجود ہے؟ آخر یہ کیسی آزادی ہے؟ یہ وہی چیز ہے جس کو اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلام میں آزادی کی بنیاد درحقیقت غیر خدا کی بندگی واطاعت سے انسان کی نجات وآزادی ہے جبکہ مغربی آزادی کی اساس انسانی خواہشات ومطالبات کی تکمیل ہے۔

پس دوسرا واضح فرق اسلامی آزادی کے مفہوم میں پروردگار عالم کی انحصاری بندگی اور توحید خداوندی میں پوشیدہ ہے اور یہی آزادی کی اساس وبنیاد ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انسان کے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی غیر خدا سے تعلق رکھتا ہے چاہے قانون ہو یا آداب وعادات اور چاہے طاقت ہو یا اقتدار وحکومت سب سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے صرف خداوند عالم کے حکم کے سایہ میں زندگی بسر کی جائے اور یہ کام انسان کو عظمت وکرامت کے ساتھ حقیقی آزادی عطا کرتا ہے۔ چونکہ اسلام آزادی کے اس وسیع معنی ومفہوم کا قائل ہے اسی وجہ سے اس نے آزادی طلب جہاد کو دین کے اساسی اور بنیادی احکام کا جز قرار دیا ہے۔ اور جہاد درحقیقت اس حقیقی آزادی کو حاصل کرنے اور اسکی بھرپور حفاظت کرنے کا وسیلہ ہے۔

۳۔ آزادی کی سرحدیں:

اسلامی اور مغربی آزادی کے درمیان تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلام میں انسان کی آزادی کو محدود کرنے والا صرف سماجی مسائل ومعاملات میں ہی نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے انفرادی ذاتی اور خصوصی مسائل میں بھی اسکی آزادی کو محدود کرنے والا قانون کا طرفدار ہے جس کو مندرجہ ذیل عبارت میں واضح کیا جا سکتا ہے۔

مغربی تہذیب وتمدن میں قانونی آزادی کی سرحد معین کرتا ہے اور یہ قانون سماجی مسائل کو مدنظر قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ قانون کہتا ہے کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں

ہے کہ وہ اپنی آزادی کے ذریعہ دوسروں کی آزادی محدود بنادے۔ لیکن اسلام انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سماج کی آزادی اور اپنی وسماجی فلاح وبہبود کے لئے خطرہ نہ پیدا کرے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آزادی کا استعمال کرتے ہوئے انفرادی اور سماجی فائدوں کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔

انسان کے لئے بنائے گئے قوانین کا جب تک سماج سے کوئی رابطہ نہ ہو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد کرتا ہے ۔ اس کی توجیہ تو کی جاسکتی ہے لیکن اس کی ذمہ داری کا تعین ناممکن ہے ۔ اسلام اور دیگر تمام ادیان ومذاہب تمام لوگوں کے حقوق اور ان کی آزادی کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک انسان کو اپنی آزادی کے بہانہ دوسروں کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بات صرف دوسروں کی آزادی تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی انسان کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ خود اپنے ذاتی مفاد کو نقصان پہونچانے والے کام انجام دے یعنی مرد آزاد کو خود اپنی آزادی سے اپنی ذات کو نقصان پہونچانے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسلام میں اپنی ذات کو نقصان پہونچانا اور خودکشی اختیار کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی آزادی کے سایہ میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں آزاد ہوں لہٰذا اپنی ملکیت کو نقصان پہونچا رہا ہوں یا اپنی سلامتی کو نقصان پہونچارہاہوں یا اپنی جان کو نیست ونابود کررہاہوں ۔ جس طرح اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے افعال واعمال اور اقوال وکردار سے دوسروں کے حقوق اور ان کی آزادی کو محدود نہ کرے یا کوئی نقصان نہ پہونچائے بالکل اسی طرح اس پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی آزادی اور انفرادی حقوق کو بھی خطرہ میں نہ ڈالے۔

اسلامی اور دیگر مکاتب فکر کے سایہ میں پروان چڑھنے والی آزادی کے درمیان یہ ایک بنیادی سرحد ہے اور اسی وجہ سے اسلام میں ظلم کو تحمل کرنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی طاقت کے بوجھ کے نیچے دبارہ جائے۔ واضح رہے کہ طاقت کے بوجھ کے نیچے پڑے رہنا

چاہے وہ کسی ایک شخص سے ہی متعلق کیوں نہ ہو، حرام ہے۔ اسلام میں واجبات پر عمل نہ کرنا اور منزل کمال کی طرف پیش قدم نہ ہونا بھی حرام ہے۔ اسلام میں خود اپنی صلاحیتوں کا استعمال نہ کرنا، جبکہ اس کا تعلق سماج سے نہیں بلکہ خود اس کی ذات سے ہوتا ہے، ممنوع اور حرام ہے پس ایک شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے ذاتی اختیار کے ذریعہ اپنی آزادی کو سلب کرنا چاہتا ہوں یا اپنے آپ کو دوسرے کی تحویل میں دیدینا چاہتا ہوں یا فلاں دباؤ یا طاقت کے استعمال کو تحمل کرنا چاہتا ہوں اور اپنی مرضی سے منزل کمال کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہتا ہوں البتہ ایک نہایت اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کی آزادی کی یہ ممنوعیت خود اس کی ذات کو نقصان پہونچاتی ہے لہذا یہ ایک ذاتی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی حکومت یا قانون کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس شخص کو اس بات کے لئے مجبور کرسکے کہ وہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائے۔ چونکہ یہ اس کی ذات سے متعلق ہے اور سماج کا اس سے سروکار نہیں ہے لہذا اس سلسلے میں اس سے کسی قسم کی بازپرس کرے۔ پس اسلام ایسے معاملات میں جس میں نقصان پہونچانے کا تعلق خود اس کی ذات سے ہوا کرتا ہے، کسی قسم کے تجسس اور تجزیہ اور تعاقب وافشاگری کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

لیکن ایک فریضہ ہونے کی وجہ سے خود خداوند عالم اس شخص کو سزا دے گا اور وہ شخص بارگاہ عالیہ خداوندی میں یقیناً جوابدہ ہوگا کیونکہ اپنی اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ قرآن انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ”قوا انفسکم واھلیکم نارا“ یعنی خود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کی حفاظت کرو اور انہیں الٰہی غیض وغضب کی آگ میں ہرگز جلنے نہ دو اور عذاب خداوندی میں بالکل مبتلا نہ ہونے دو۔ دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ”یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم“ یعنی اے ایمان والو! اپنی اور اپنے عیال کی جان کی حفاظت کرو، جن کو محفوظ رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اور انہیں جہنم میں الٰہی غیض وغضب کی آگ میں جلنے اور عذاب الٰہی میں مبتلا نہ ہونے دو۔ اسی

طرح دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔" یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم۔" یعنی اے ایمان والو ! اپنے نفسوں کی حفاظت خود تمہاری ذمہ داری ہے۔

لیکن جہاں تک معاشرہ کو نقصان پہونچانے کا تعلق ہے عدالتی اور قانونی اداروں پہ یہ ذمہ داری عائد ہوئی ہے کہ وہ ان معاملات پر کڑی نظر رکھیں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو لازمی سزا بھی دیں۔

۳۔ مغربی مکتب فکر میں آزادی میں خدا اور دین کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ اسلام میں آزادی الٰہی بنیاد کی حامل ہے۔ اسی طرح لیبرل ازم نامی مغربی مکتب فکر میں دین اور خدا نامی حقیقتوں کا کوئی تصور نہیں ہے اسی وجہ سے یہ لوگ آزادی کو خدادادنہیں تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی یہ کہتا ہوا نہیں نظر آتا کہ آزادی عطیۂ خداوندی ہے بلکہ آزادی کے سلسلے میں یہ لوگ ایک فلسفیانہ نظریہ کے حامل ہیں۔

اسلام میں آزادی الٰہی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ ایک بنیادی فرق واختلاف ہونے کے ساتھ ہی ساتھ دیگر اختلافات کی اساس بھی ہے۔ اسلامی منطق کے بموجب آزادی کی مخالفت درحقیقت ایک مظہر الٰہی کی مخالفت ہے یعنی مد مقابل میں ایک فریضہ آجاتا ہے اور آزادی کے مخالف کو مظہر الٰہی سے ٹکرانا پڑتا ہے لیکن مغربی دنیا میں اور مغربی مکتب فکر میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی دنیا میں آزادی کی خاطر جو سماجی جدوجہد کی جاتی ہے وہ مغربی لیبرل ازم سے وابستہ فکر کے مطابق کسی منطق کی حامل نہیں ہے۔ مثلاً "عوامی فلاح وبہبود" اور "اکثریت کی بھلائی ، کو سماجی آزادی کی بنیاد بنا کر پیش تو کیا جاتا ہے لیکن ان افکار وعقائد کے سایہ میں جدوجہد کرنے والے میدان عمل سے باہر آتے ہی اس شک میں مبتلا ہوجائیں گے کہ میدان جہاد میں آخر میں ہی کیوں جاؤں اور میں ہی کیوں قتل ہوجاؤں ؟ لیکن اسلامی افکار وعقائد میں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آزادی کے لئے کی جانے والی جدوجہد درحقیقت ایسی جدوجہد کا نام ہے جو ایک حکم الٰہی کے لئے کی جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اگر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی

شخص کو لوگ قتل کرنے والے ہیں تو آپ کا یہ فریضہ ہے کہ اس کی مدد کریں اور اگر آپ نے مظلوم کی مدد وحمایت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے گناہ کیا ہے کیونکہ دینی فریضہ کو انجام نہ دینا کار گناہ ہے۔ پس آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی ایک دینی فریضہ ہے اور اس فریضہ کو ادا کرنا لازم ہے۔

اس بنیادی اختلاف کی بنیاد پر دیگر اختلاف مرتب ہوتے ہیں مثلاً مغربی لیبرل ازم میں حقیقت اور اخلاقی قدروں کی نسبی حیثیت کی وجہ سے لامحدود ''آزادی'' کا تصور پایا جاتا ہے۔ آپ بہت سی اخلاقی قدروں سے واقف ہیں لیکن آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اخلاقی قدروں اور معیاروں کی خلاف ورزی کرنیوالے پر اعتراض یا لعنت ملامت کریں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مذکورہ اخلاقی معیار کا معتقد نہ ہو۔ پس مغربی مکتب فکر میں آزادی کی کوئی حد معین نہیں ہے۔

اسلام میں ''آزادی'' کا یہ رنگ وروپ نہیں ہے۔ اسلام میں ایسی مسلّم اور دائمی قدریں پائی جاتی ہیں جن کی طرف بڑھنا ہی باعث کمال اور ارزش آفرین ہے۔ پس آزادی کی حدیں بھی ان قدروں کے ساتھ محدود ہوجاتی ہیں لیکن ان اخلاقی قدروں اور معیاروں کو کیسے سمجھا جائے یہ ایک الگ بات ہے۔ یہی ''سماجی آزادی جس کو اسلامی مکتب فکر میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اگر کسی قوم کی روحانی یا مادی قدروں کی نابودی کیلئے استعمال کی جارہی ہے تو یہ ایک نقصان دہ عمل ہے چاہے اس کو کسی ایک فرد یا شخص کے خلاف ہی کیوں نہ استعمال کیا گیا ہو۔'' من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔''

قرآنی منطق میں ایک آدمی کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کردینے کے برابر ہے۔ یہ بات نہایت عجیب وحیرت انگیز ہے کیونکہ یہ انسانیت کے دائرہ کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ استثنا موجود ہے کہ ''بغیر نفس او فساد فی الارض۔'' یعنی سوائے اس شخص کے جس نے خودکسی کی جان لی ہو یا روئے زمین پر فساد اور بدعنوانی پھیلائی ہو۔ پس دائمی اور

مسلم حقائق اور اقدار اس آزادی کو محدود کردیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے یہ حق حیات کو بھی محدود کردیتے ہیں یعنی اسلام جس ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اس کا بے گناہ ہونا لازمی ہے۔

۵۔مغرب میں آزادی کی حد مادی فوائد اور اسلام میں روحانی اقدار ہیں:

مغربی مکتب فکر میں آزادی کی حد مادی فائدہ کو قرار دیا گیا ہے ابتدائی مرحلہ میں انفرادی اور سماجی آزادیوں کے لئے ان لوگوں نے پابندیاں لگادیں۔جیسے ہی مادی فائدہ کے لئے خطرہ لاحق ہوا یہ لوگ فوری طور پر آزادی کو محدود کردیتے ہیں۔ مادی فوائد میں مثلاً ان ملکوں کی عظمت اور ان کا علمی رعب ودبدبہ بھی شامل ہے۔تعلیم وتربیت ایک ایسی چیز ہے جس میں آزادی انسانوں کا بنیادی حق ہے۔تمام انسانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں لیکن تعلیمی شعبہ کی یہ آزادی مغربی دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں میں محدود ہوجاتی ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اونچی سطح کی تکنیکی مہارت کو منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسی محدودیت کی بنیاد پر بعض ملکوں میں تکنیکی مہارت (HIGH TECH)کو منتقل کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر ان ملکوں کو مطلوبہ تکنیکی مہارت حاصل ہوگئی تو وہ اس ملک پر منحصر نہ رہ جائیں گے اور متعلقہ ملک پر طاقتور ملک کا مادی دباؤ ختم ہوجائے گا۔

اس منزل پر پہونچتے ہی آزادی کی حد معین ہوجاتی ہے۔یعنی یونیورسٹی یا تحقیقی مرکز سے وابستہ پروفیسر کو یہ حق حاصل نہیں رہ جاتا کہ وہ تیسری دنیا یعنی ایران یا چین کے کسی طالب علم کو فلاں علمی راز سے آگاہ کرسکے۔ اطلاعات اور خبروں کے انتقال کے سلسلے میں بھی آزادی کا یہی حال ہے۔آج دنیا کے ہر گوشے میں اطلاعات واخبار کی آزادی کا چرچا سنائی دے رہا ہے۔ یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ لوگوں کو اطلاعات حاصل کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔مغربی دنیا میں جس آزادی کا ڈھول پیٹا جارہا ہے اس میں اخبار اور اطلاعات حاصل

کرنے کی آزادی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے لیکن عراق پر حالیہ امریکی حملے کے دوران ایک ہفتہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ دنوں کے لئے خبروں کے انتقال پر زبردست پابندی لگادی گئی تاکہ دنیا والوں کو یہ معلوم نہ ہوسکے اس مدت میں عراق میں کیا ہوا؟ چنانچہ دنیا والے امریکی حملات کے دوران رونما ہونے والے حالات وحوادث سے ناواقف رہ گئے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اطلاعات کی آزادی کی وجہ سے فوجی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہوسکتا تھا اور اس طرح فوجی سلامتی کے نام پر آزادی کے حق کو محدود کردیا گیا یا یہ کہا جائے کہ آزادی کی راہ میں ایک دیوار کھڑی کردی گئی۔ حکومت کی بنیادوں کا استحکام بھی دوسری سرحد ہے۔ چند سال قبل امریکہ میں ایک ایسی جماعت رونما ہوئی جس سے وابستہ افراد نے مخصوص مذہبی رجحانات کی وجہ سے امریکی حکومت کے خلاف اقدام کردیا۔ ان لوگوں کی روک تھام کے لئے متعدد انتظامی اور انٹیلی جنس قدم اٹھائے گئے لیکن ان کا کوئی فائدہ نہ ہوا لہٰذا امریکی سلامتی ادارہ سے وابستہ افسروں نے اس گھر کا محاصرہ کرلیا جس میں یہ تمام لوگ جمع تھے۔ اس کے بعد اس گھر کو آگ لگادی گئی اور اس میں موجود تقریباً ۸۰ لوگ جل کر راکھ ہوگئے۔ پس زندہ رہنے کی آزادی، مطلوبہ عقیدہ کی پیروی کی آزادی اور سیاسی جدوجہد کی آزادی اس حد تک محدود ہوجایا کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مغرب کی مادی دنیا میں بھی آزادی حدود وسرحدوں کی حامل ہے لیکن یہ سرحدیں مادی نوعیت کی حامل ہیں اور اخلاقی قدریں ان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ہیں۔ مثلاً ہم جنس بازی کی تحریک امریکہ کی مشہور تحریکوں میں سے ایک ہے اور وہ لوگ اس تحریک پر فخر بھی کرتے ہیں اور جو لوگ اس تحریک کے مخالف ہیں ان پر بعض اخبارات اور رسالوں میں شدید اعتراضات شائع کئے جاتے ہیں یعنی اخلاقی قدریں ان لوگوں کی آزادی کی کوئی حد معین کرنے سے عاجز وقاصر نظر آتی ہیں۔

دوسری مثال یورپی ممالک کی ہے۔ مثلاً آزادی بیان فسطائیت کے مفاد میں کئے

جانے والے پروپگنڈہ تک محدود ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مادی اور حکومتی امر ہے لیکن عریانیت کی کوئی حد معین نہیں ہے۔یعنی مغربی لیبرل ازم میں آزادی کی سرحدیں اپنی تمام فلسفیانہ اورنظریاتی اساس وبنیاد کے ساتھ فقط مادیت کی سرحدوں تک ہی محدود رہ جاتی ہیں اور اخلاقی قدروں سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہے لیکن اسلام میں اخلاقی سرحدیں پائی جاتی ہیں۔ اسلام میں آزادی اپنی مادی سرحدوں کے ساتھ ہی ساتھ روحانی اور معنوی سرحدوں کی بھی حامل ہے۔ اگر کوئی شخص یا ادارہ آزادی کے نام پر ملکی اورقومی مفاد کے خلاف اقدام کرتا ہے تو اس کی آزادی محدود ہوجاتی ہے۔ یہ ایک منطقی عمل ہے تاہم معنوی اور روحانی سرحدیں موجود ہیں۔

اگر کوئی شخص گمراہ عقیدہ رکھتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بارگاہ خداوندی اور نگاہ مومن میں یہ بات بہرحال عیب ہے جبکہ اس شخص کے سلسلے میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔مسلمانوں ، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب میں ایسے لوگ بہت ہیں اورسردست ہمارے ملک میں موجود ہیں اور صدر اسلام میں بھی ایسے افراد موجود تھے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر فاسد عقیدہ رکھنے والا شخص دفاعی صلاحیت سے عاجز لوگوں کی جان کے پیچھے پڑجاتا ہے اور اپنے فاسد خیالات کومسلط کر کے انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی آزادی محدود ہوجاتی ہے۔ یا اگر لوگ فاسد افکار وعقائد اعمال کی تبلیغ واشاعت چاہتے ہیں یا جنسی سیاسی اورفکری فساد اور بدعوانیوں کی ترویج کے متمنی ہیں یا ملک کے مختلف حصوں میں موجود نام نہاد فلسفی حضرات اس موضوع پر ''اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بے سود ہے'' جیسے موضوع پر مقالہ شائع کر کے تعلیم کے فروغ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اپنے دلائل کے ذریعہ نوجوان نسل کوعلم سے دوراور متنفر کرنا چاہتے ہیں تو آزادی بیان کے نام پر انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اسلام میں دروغگوئی کو آزادی نہیں تسلیم کیا جاسکتا اور اسلام میں جھوٹی اور بے بنیاد تبلیغات کا گزر نہیں ہے اور جھوٹ وبدگمانی کے پروپگنڈہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

میری مودبانہ شکایت یہ ہے کہ آزادی کے مسائل کے سلسلے میں اسلامی مباحث اور مستند وبنیادی اصولوں کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا جاتا ہے۔قرآن سورۂ احزاب کی آیہ نمبر ۶۰ میں ارشاد فرماتا ہے کہ " لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم۔"

جھوٹے اور بے بنیاد پروپگنڈہ کرنے والے منافقوں اور بیماردل لوگوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ افواہ بازی میں لگے ہوئے لوگ عوام کو مسلسل خوفزدہ کرتے رہتے ہیں ہم ایک نوتشکیل شدہ اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کررہے ہیں اور ہمارے دشمنوں کی ایک بڑی تعداد ہمارے اردگرد جمع ہے۔ ایسے ماحول میں ہمیں قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی کے سایہ میں ہم لوگوں کو روحانی اور معنوی اعتبار سے اس عظیم اور انسانی وعوامی ملک ونظام حکومت کی حفاظت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہنا چاہئے لیکن ایسے عالم میں مٹھی بھر افراد ایسے بھی ہیں جو جونک کی طرح عوام کی جان سے لپٹے ہوئے ہیں اور لوگوں کے حوصلے پست کرنے میں سرگرم ہیں۔پس قرآنی اصطلاح میں یہی لوگ "مرجوف" یعنی افواہ باز ہیں اور اپنے جھوٹے پروپگنڈوں کے ذریعہ لوگوں کو لگاتار خوفزدہ اور مایوس وناامید کرتے ہوئے انہیں ہر ممکن اقدام سے باز رکھتے ہیں۔قرآنی احکام کی روشنی میں اگر یہ لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتے تو ان کی جان کے پیچھے پڑنا ہوگا اور یہی آزادی کی سرحد ہے۔پس اسلامی منطق کی روشنی میں آزادی معنوی اقدار پر مشتمل سرحد کی حامل ہے جس کا مغربی آزادی میں کوئی تصور بھی نہیں ہے۔

۶۔مغربی آزادی فرض مخالف اور اسلامی آزادی فرض پر منحصر ہے:

مغربی لیبرل افکار وعقائد کی روشنی میں حاصل ہونے والی آزادی درحقیقت فرض مخالف ہے کیونکہ اس میں آزادی کا مطلب ہے فرائض سے آزادی۔لیکن اسلام میں آزادی فرض کے سکہ

کا دوسرا رخ ہے۔ مکلّف ہونے کی وجہ سے ہی انسان آزاد ہیں اگر مکلّف نہ ہوتے تو آزادی کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ فرشتوں کی طرح ہوتے۔ بقول مولانا روم:

در حدیث آمد کہ خلاق مجید
خلق عالم را سہ گونہ آفرید
یک گروہ را جملہ عقل و علم وجود
آن فرشتہ است و نداند جز سجود

یعنی حدیث میں منقول ہے کہ خداوند عالم نے دنیا میں تین طرح کی مخلوق خلق کی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت کو مکمل عقل و علم وسخاوت عطا کردی۔ وہ فرشتوں کی جماعت ہے جو سجدہ کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔

انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مخالف ومتضاد خواہشات وخیالات کا ایسا مجموعہ ہے جو مکلّف بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ان متضاد وخواہشات وخیالات کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے اسے منزل کمال طے کرنی ہے اور اس راہ کمال کو طے کرنے کے لئے اسے آزادی عطا کی گئی ہے عظمت واہمیت کی حامل یہ آزادی منزل کمال حاصل کرنے کے لئے ہے اور اگر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی کا مقصد بھی منزل کمال حاصل کرنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا ہے۔ ”وماخلقت الجنّ والانس الّالیعبدون۔“ یعنی ارشاد عالیہ الٰہی کے بموجب انسان اور جن کی تخلیق اس مقصد کے لئے کی گئی ہے کہ وہ عبودیت وبندگی معبود کا عظیم مرتبہ حاصل کرسکیں۔ حق حیات کی طرح آزادی بھی عبودیت اور بندگی کا مقدمہ ہے۔

مغرب میں فرض کی تردید میں لوگ اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ بات فقط مذہبی افکار وعقائد کی تردید تک محدود نہیں رہ گئی بلکہ یہ لوگ ایسے تمام غیر مذہبی افکار وعقائد کی بھی تردید کرتے ہیں جن میں فرائض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے کی بات کہی گئی ہے۔ سردست لیبرل ازم کی طرفداری کرنے والے امریکی ماہرین قلم یا امریکہ

کو اپنا پیغمبر سمجھنے والے دیگر مصنفین یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ مغربی آزادی درحقیقت چاہئے اور نہ چاہئے اور کسی دوسرے مکتب فکر کی پابندیوں کی اعلانیہ تردید کرتی ہے جبکہ اسلام اور اسلامی آزادی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں انسان آزادی فرائض سے جڑی ہوئی ہے تاکہ وہ اس آزادی کے سایہ میں اپنے فرائض کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکے۔ عظیم کارنامے اور عظیم انتخاب انجام دے سکے اور اپنے اعمال وافعال کے سہارے منزل کمال کی طرف پیش قدم رہ سکے۔

ان اختلافات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اجمالی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج دنیا میں آزادی کا جو درخشاں مفہوم پیش کیا جارہا ہے کہ یعنی بندگیوں اور غلامیوں سے آزادی ونجات اور انسانی ارادہ کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھنا۔ واضح رہے کہ آزادی کا موجودہ درخشاں مفہوم ہی اسلامی آزادی کا مفہوم ومقصود ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ دو تین صدیوں پہلے آزادی کے اس معنی ومفہوم کی ایجاد عمل میں آئی ہے وہ درحقیقت آزادی اور اس سے وابستہ حقائق سے قطعی ناواقف ہیں۔

اسلام میں آزادی فکر وعقیدہ اور اس کے تین نکاتی مراکز:

آزادی کی قسمیں اور اس کی فراہمی میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں:

اسلامی نقطۂ نظر سے آزادی اور آزادی کی بنیادوں کی مکمل وضاحت کے بعد آزادی سے وابستہ دیگر عنادین کے سلسلے میں بحث وتجزیہ لازمی معلوم ہوتا ہے جو آزادی کے بنیادی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کی صرف اسلامی علوم ومعارف میں ہی نہیں بلکہ علوم ومعارف میں بھی بڑی اہمیت ہے۔

فکر وعقیدہ کی آزادی:

صرف مذہب اسلام میں ہی نہیں بلکہ موجودہ عالمی تہذیب وتمدن میں بھی اس بحث کو

غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جس کا مختصر ڈھانچہ حاضر خدمت ہے۔

فکر وعقیدہ اور مذہب کی آزادی آج ایک تسلیم شدہ عالمی نعرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی آج دنیا میں صورتحال ایسی ہے کہ وہ حکومتیں اور وہ ممالک جن کی نگاہوں میں آزادی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور مختلف مواقع پر آزادی فکر کو اعلانیہ پامال کر چکے ہیں، آج آزادی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور فکر وعقیدہ ومذہب کے شعبہ میں آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور کبھی کبھی ایسے نمائشی مظاہروں کا اہتمام بھی کرتے ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کرسکیں کہ ان ملکوں میں مذہبی اور فکری آزادی کا بول بالا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام اور اسلامی عقیدہ کو حساسیت کی نگاہ سے دیکھنے والے ملکوں میں کچھ بناوٹی اور ظاہر سازی پر مبنی کام انجام دئے جاتے ہیں تاکہ دنیا والوں پر یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس ملک میں فکر وعقیدہ کی آزادی موجود ہے۔

اس موقع پر میں اسلام میں آزادی کے تین محوروں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا محور:

اسلام میں غور وفکر کو واجب ولازم قرار دیا گیا ہے۔ بنیادی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام میں نہ صرف یہ کہ غور وفکر کرنے کی آزادی ہے بلکہ یہ امر واجب ولازم بھی ہے۔ جملہ آسمانی کتب اور مذہبی تالیفات کے درمیان شاید ہی ایسی کوئی کتاب پائی جاتی ہو جس میں قرآن مجید کی طرح بنی نوع انسان کو مظاہر زندگی انسان کے مادی ومعنوی امور اور تاریخ کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہو بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اصول دین کے بارے میں غور وفکر کرنا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ توحید ونبوت اور دیگر اصول دین کے بارے میں ایک استدلال کی تلاش کرنا ہر مسلمان کے لئے واجب ولازم ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذہبی امور میں غور وفکر کرتے ہوئے شک وشبہ کا شکار ہوجائے تو اسلامی نقطہ نظر سے یہ کوئی نامناسب بات نہیں ہے لیکن اس کو شک وتردید میں پڑا نہ رہنا چاہئے بلکہ مطالعہ وغور وفکر اور تجزیہ وجستجو کے ذریعہ مکمل ومستحکم یقین واعتماد حاصل کرنے کی

کوشش کرنی چاہئے لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں کسی اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہو جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ مذہب اسلام میں اس کو دین کی سرحد اور ممنوع نہیں قرار دیا گیا بلکہ یہ ایک اختیاری امر ہے جس کو منع بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ رسول مقبول اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی خدمت میں آتے ہیں اور گلہ کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ذہن میں بعض اصول دین کے سلسلے میں شک پیدا ہو گیا ہے مثلاً خداوند عالم کی وحدانیت یا وجود خداوندی کے سلسلے میں شک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہم لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس ذہنی وسوسہ اور شک کی وجہ سے دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے کہ نہیں، یہ دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ ایسے افراد کی رہنمائی کی جانی چاہئے اور ان لوگوں کو مطالعہ و تحقیق میں سرگرم رہنا چاہئے۔

کوئی شخص پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! ھلکت۔" یعنی میں ہلاک ہو گیا۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص اپنے اسلامی مطالعات کے دوران ذہنی الجھاؤ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لہذا آپ نے اس کے ذہنی الجھاؤ اور وسوسہ کو علمی دلائل کے ذریعہ دور کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہذا محض الایمان۔" عین وخالص ایمان یہی ہے کہ تم دینی مسائل کے بارے میں غور وفکر کرو، ان مسائل کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو اور اس شک کو دور کرنے کے لئے صاحبان علم سے رابطہ قائم کرو۔ پس یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مذہبی امور ومسائل کے بارے میں، چاہے وہ مستحکم اور ثابت شدہ اصول دین کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، غور وفکر کرنا ممنوع نہیں بلکہ لازمی اور ضروری ہے اور غور وفکر کے دوران اگر کسی اصول دین کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہو جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث رفع کی طرف اشارہ: مشہور ومعروف حدیث "رفع" میں ارشاد نبوی ہوتا ہے کہ میری امت سے نو چیزوں کے بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور ان میں سے ایک چیز

''الوسوسة فی التفکر فی الخلق ۔''یعنی دنیا اور اس کی تخلیق کے سلسلے میں انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسہ کو مذموم ،ممنوع اور مواخذہ کا سبب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

دوسرا محور:

مذہبی عقیدہ کا حامل ہونا۔ اسلام میں کسی ایسے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے جو اسلامی عقیدہ سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔ زیادہ واضح لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ میں غیر اسلامی عقیدہ کا حامل ہے اور وہ اسلام کی مخالفت اور اسلامی نظام سے عداوت ودشمنی نہیں رکھتا ہے تو اسلامی معاشرہ میں ایسے شخص کی موجودگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔پس اسلامی معاشرہ میں یہودی ،عیسائی ،زرتشتی اور دیگر مذاہب کے لوگ ،مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی،شاندار زندگی بسر کررہے ہیں اور آئین کی دفعہ ۲۳ کے بموجب جملہ حقوق کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کررہے ہیں اور اپنے دینی عقیدہ کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہیں کیونکہ مذہب اسلام میں دوسرے عقیدہ کا حامل ہونا ممنوع نہیں ہے۔

آیہ مبارکہ''لااکراہ فی الدین ۔'' کی تفسیر میں لکھا ہے یثرب میں پیغمبرؐ کی آمد سے قبل اس شہر کے کچھ نوجوان شہر کے اطراف میں آباد یہودیوں کے ساتھ جو کفار ومشرکین سے زیادہ مہذب تھے،گھل مل گئے تھے، ابھی اس شہر کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسے مدینہ نہیں بلکہ یثرب کہا جاتا تھا ۔ ان میں سے بعض نوجوان اپنی جوانی کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ان یہودیوں کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ ان میں سے کچھ نے یہودیت قبول کرلی تھی اور کچھ یہودی نہیں ہوئے تھے۔پیغمبر اکرم کی اس شہر میں آمد کے بعد یثرب مدینہ رسول میں تبدیل ہوگیا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہوگئے۔پیغمبرؐ نے چند برسوں تک مدینہ اور اس کے اطراف میں مقیم یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا لیکن جب قبیلہ بنی النضیر نے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے خلاف سازش کی تو خداوند عالم نے حکم دیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں کو مدینہ کے اطراف سے دور ہٹادیں۔پیغمبرؐ اکرم نے سورہ حشر میں موجود حکم خداوندی کے

بموجب ان یہودیوں کو مدینہ کے اطراف سے باہر نکال دیا اور قبیلہ بنی النضیر کے لوگ اس علاقے سے چلے گئے ۔ بعض ایسے نوجوان، جن کے گھر والے تو مسلمان ہوگئے تھے لیکن وہ خود ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، یہ کہنے لگے کہ وہ بھی یہودیوں کے ہمراہ اس علاقے سے باہر چلے جائیں لیکن ان کے گھر والے اس بات پر راضی نہیں تھے اور ان نوجوانوں پر یہ دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ اس موقع پر یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔ ”لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ مذہبی اعتقاد و ایمان میں جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ آج لوگوں پر حقیقت پوشیدہ نہیں رہ گئی بلکہ راہ اسلام اور راہ ہدایت پوری طرح واضح اور نمایاں ہوچکی ہے لہٰذا آپ لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں رہ گیا کہ آپ ان نوجوانوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیجئے۔ یہ لوگ اسلام قبول کئے بغیر بھی ہم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

البتہ اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ آزادی ایمان وعقیدہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام اس بات پر راضی ہے کہ کچھ لوگ عقیدہ حق سے دور اور بیگانہ رہ جائیں بلکہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک کوئی عقیدہ اسلامی نظام کی مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی نہیں کرتا ہے اس سے کوئی مواخذہ اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہ ہوگا۔

تیسرا محور سیاسی فکرونظریہ:

اسلامی معاشرہ میں سیاسی افکار ومیلانات کی آزادی ہے اور کسی شخص کو اس کے مخصوص سیاسی یا علمی نظریہ کی وجہ سے پریشان نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی آدمی کو اس کے ذاتی سیاسی عقائد کی وجہ سے دباؤ میں رکھا جائے۔ قرون وسطیٰ میں یوروپ میں جو چیز رائج تھی کہ دانشمند افراد کو ان کی مخصوص علمی تحقیق کی وجہ یا دانشوروں کو ان کے مخصوص سیاسی نظریہ کی وجہ سے مختلف انواع دباؤ اور مظالم کا شکار بنایا جاتا تھا اور بعض لوگوں کو قتل بھی کردیا جاتا تھا جبکہ اسلام میں اس طرح کی کوئی بھی ظالمانہ روش موجود نہیں ہے

اور مسلمانوں کو اس قسم کی سختی کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بنیادی طور پر مذہب اسلام میں عقیدہ کے بارے میں تفتیش کی اجازت نہیں ہے یعنی کسی شخص پر دباؤ ڈال کر اس سے یہ نہیں معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں واقعہ کے سلسلے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ یا فلاں مذہبی عقیدہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ یہ ایک غلط اور اعتراض آمیز بات ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کرکے اس کو نقصان پہونچایا جائے۔ یہ وہی بات ہے جو یورپ میں پوری طرح رائج تھی اور یوروپ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ کسی نئی چیز کا خالق و محقق بن گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام میں اس قسم کے مسائل کا کوئی وجود نہیں تھا۔

البتہ مختلف تاریخی ادوار خواہ بنی امیہ کا دور حکومت ہو یا بنی عباس کا یا سلاطین سلجوقیہ کا عہد حکومت رہا ہو یا غزنوی دور حکومت، خود ہمارے ملک ایران میں گوناگوں عقائد کے خلاف جد وجہد و نبرد آزمائی کا بازار گرم رہا ہے لیکن اس سرگرمی کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ واضح رہے کہ سلطان محمود غزنوی کے اسلام کی مثال عصر حاضر کے اکثر مسلم حکمرانوں جیسی ہے جس کو حقیقی اسلام کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مذہب اسلام سیاسی عقائد کے سلسلے میں سخت گیری کی اجازت نہیں دیتا ہے اور اسلام میں عقائد کی تفتیش ممنوع ہے۔

مذہبی عقائد کی آزادی اور اس کا صحیح مفہوم:

دوسرے محور یعنی مذہبی عقائد کی آزادی کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ طولانی بحث کی جائے کیونکہ یہ موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ ہے اور عالمی سطح پر اس موضوع کے بارے میں گفتگو جاری ہے لہذا اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا بھرپور اور محققانہ تجزیہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مذہب اسلام میں عقیدہ کی آزادی کو اہم اور بنیادی مسئلہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں اسلامی مفکرین کے خیالات کو مجموعی شکل وصورت میں نہیں پیش کیا جاسکا ہے البتہ بعض مفکرین اور محققین نے اس موضوع کا تجزیہ کیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اس سلسلے

میں اسلامی مفکرین کی بحث کافی نہیں ہے بلکہ اس کا مزید اور دقیق تجزیہ موجودہ زمانہ کی اہم ضرورت ہے بعض مفکرین نے مغربی دنیا میں موجود عقیدہ کی آزادی کے زیر اثر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہر عقیدہ لائق احترام ہے اور کسی بھی عقیدہ کی مخالفت اور اس میں پائی جانے والی خرابی کے خلاف اعتراض نہ کرنا چاہئے ۔ یہ خاص مغربی نظریہ ہے اور بعض اسلامی محققین و مفکرین نے اسلامی نظریہ کو مغربی نظریہ سے جوڑ دیا ہے۔ دوسری طرف بعض دیگر مفکرین نے قرآن مجید کی آیات کریمہ اور دینی روایات کی روشنی میں بہت محدود اور تنگ بنادیا ہے اور مجموعی اعتبار سے آزاد مذہبی عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے دور اور حقیقی اسلامی عقیدہ کے خلاف مانتے ہیں۔

بہر حال اس سلسلے میں بعض قرآنی آیات ، دینی روایات اور بزرگان دین کے ارشادات کے مطالعہ کی روشنی میں میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ ابھی اس موضوع پر مزید بحث ومباحثہ ، عمیق مطالعہ اور تبادلۂ خیال کی ضرورت ہے البتہ اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ بحث وگفتگو کا دروازہ بند نہیں ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر میں سردست اسلامی اور شرعی ماخذ ومدارک سے استفادہ میں سرگرم ہوں:

اولاً ، قلبی عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو طاقت اور دباؤ کا نشانہ بنایا جاسکے ۔ عقیدہ طاقت سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا بلکہ عمل کو طاقت اور دباؤ کے ذریعہ متاثر کیا جاسکتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی عمل وذاتی روش کو طاقت ، دباؤ اور تسلط کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور اس کے قلبی عقیدہ کو نہیں ۔ پس قرون وسطی میں یوروپ میں لوگوں کے مذہبی ، سیاسی ، سماجی اور علمی عقائد کے سلسلے میں ہزاروں افراد کے قتل اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان دوسرے ہزاروں لوگوں کی خوفناک نابودی جیسی سخت گیریوں کے باوجود ان مذہبی عقائد کو نہ معدوم کیا جاسکا اور نہ منسوخ بلکہ تاریخ میں موجود دباؤ کا شکار ہونے والے دیگر عقیدوں کی طرح وہ عقائد باقی رہ گئے ۔ پس معلوم ہوا کہ عقیدہ پر طاقت اور دباؤ کا اثر ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس کو مخصوص وسائل کے ذریعہ ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے یا کسی کے دل میں اس

کی تخلیق وایجاد کی جاسکتی ہے۔ ایک جملے میں ہم اپنی بات یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں عقیدہ آزاد ہے لیکن اس آزادئ عقیدہ کی توضیح وتفسیر کی جانی چاہئے۔ آزادی عقیدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے یا اس بات کو جائز تسلیم کرتا ہے کہ انسان حق اور درست سوجھ بوجھ پر مشتمل اپنے عقیدہ سے منحرف ہوجائیں اور اس کی جگہ پر ایک باطل، نامناسب اور غلط اعتقاد کو اپنے دل میں بسا لیں۔ اگر کوئی شخص یہ بات کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ درست موقف کا حامل نہیں ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ دیگر اعضاء وجوارح کی طرح انسانی قلب فکر پر بھی کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جن کے بارے میں روایات میں باقاعدہ اشارہ کیا گیا ہے اور وہ فریضہ وذمہ داری یہ ہے کہ وحدانیت اور دیگر اعلیٰ صفات کے ساتھ وہ خداوند عالم کی معرفت رکھتا ہو اور نبوت وقیامت اور دیگر اسلامی معارف کے سلسلے میں وہ درست اور حق عقیدہ کو قبول کرتا ہو اور اس سلسلے میں طاقت اور دباؤ وغیرہ سے ہرگز متاثر نہ ہو۔ پس اسلام میں عقیدہ کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں موجود مختلف مذہبی عقائد میں سے کسی من پسند مذہبی عقیدہ کا انتخاب کرلیا جائے بلکہ اسلامی علوم ومعارف اور اصول احکام میں حق وصداقت پر مبنی اعتقاد کا آزادانہ انتخاب ہی عقیدہ کی آزادی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود اگر کسی شخص نے اپنے اسلامی اور قلبی عقیدہ کو انجام نہیں دیا اور غلط وباطل عقیدہ کو اپنے مذہبی اعتقاد کی حیثیت سے انتخاب کرلیا تو اس کو ناپسند اور نامناسب سمجھتے ہوئے بھی اسلام اس باطل وغلط اعتقاد کے حامل شخص کو نہ صرف حق زندگی سے محروم نہیں قرار دیتا ہے بلکہ متعلقہ سماج کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے اس کے سماجی حقوق کو بھی محترم تسلیم کرتا ہے۔

آزادی عقیدہ کا درست مفہوم:

پس اسلام میں آزادئ عقیدہ کا درست مطلب ومفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی شخص کو غلط اور باطل عقیدہ کا حامل ہونے کی وجہ سے دباؤ اور طاقت کا شکار نہیں بنایا جاتا

ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں کافروں اور ان تمام لوگوں کے وجود کا تحمل کیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے معتقد نہیں ہوتے بلکہ اسلامی عقائد کے دائرہ سے باہر ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان غیر مسلموں کو، بشرطیکہ وہ اس معاشرہ کی سماجی زندگی کے قائل ہوں، امن وسلامتی اور دیگر سماجی حقوق بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔

اپنے ایک خطبہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام شہر ابناء اموی سپاہیوں کے حملے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: " بلغني انّ الرجل منهم ليدخل على المراة المسلمة والاخرى المعاهدة "یعنی میں نے سنا ہے کہ یہ حملہ آور لٹیرے مسلمان یا اہل کتاب غیر مسلم خاتون کے گھر میں گھس کر ان کے سونے کے قیمتی دست بند، پازیب اور دوسرے زیورات ان کے ہاتھوں اور پیروں سے اتار لیتے ہیں۔ اپنے اس بیان کے آخری حصہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پرچم اسلام کے سایہ میں زندگی بسر کرنے والی مسلم یا یہودی یا عیسائی خاتون کے گھر پر حملہ آوروں اور دشمنوں کے حملات کے صدمہ وغم میں اگر کسی مسلمان کا دم نکل جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

کچھ قابل توجہ باتیں:

اس کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری باتوں کو بھی جان لینا چاہیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام عقیدہ کے سلسلے میں زیادہ حساسیت سے کام نہیں لیتا ہے لیکن عقیدہ کے مطابق انسان کا جو عمل ظاہر ہوتا ہے اگر وہ اسلامی نظام کے مصالح کے خلاف ہوتا ہے تو اسلامی حکومت اس پر اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہے اور ان لوگوں کو ایسے اعمال وافعال انجام دینے سے روکتی ہے اور اگر وہ اصرار کرتے ہیں تو انہیں سزا دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے اس اقدام سے آزادی عقیدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا مقصد معاشرہ کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت ونگہداری ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو اسے بہر حال پورا کرنا ہے۔ پس یہ آزادی ایسے عقیدہ واعمال کی حد تک محدود

ہے جس سے اسلامی معاشرہ کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔

آزادی عقائد کے سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ باطل ومخالف عقیدہ کے سلسلے میں اسلام کی بلندنگاہی اور وسیع الظرفی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ لوگ باطل غلط ، انحرافی اور گمراہ عقائد کے بھنور میں پھنسے رہیں۔ ایک انسان کا عقیدہ ہی اس کی زندگی کی بنیاد ہے اور یہ بات بھی نا قابل تردید حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ اسلام ایک بشر دوست مذہب ہے لیکن وہ اس بات کے لئے ہرگز راضی نہیں ہے کہ انسان باطل عقائد کے سمندر میں غوطہ لگاتے رہیں اور وہ ان کی نجات کی فکر نہ کرے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلام ان لوگوں کی نجات ومدد کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے البتہ اس کوشش میں طاقت کا استعمال شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ فاسد عقائد جن بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں اسلام ان بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں سرگرم ہوجاتا ہے۔ کبھی ایک غلط اعتقاد کی بنیاد ایک انسان کی ذاتی خصوصیت کا رنگ وروپ اختیار کرلیتی ہے۔ بعض فر اد ایک بنیادی فکر یا اعتقاد کے انتخاب میں خود پسند ضدی اور متعصب ہونے کی وجہ سے جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور یہ نفسانی خواہشات وخصوصیات ہی انہیں انحراف عقیدہ کا شکار بنادیتا ہے۔ اسلام ایسے لوگوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ اسلام اپنے تربیتی نظام کا سایہ میں لوگوں کو ایسی فکر کا حامل بنادیتا ہے کہ اعمال وعقائد کے سلسلے میں ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہیں اور اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں قطعی تعصب سے کام نہ لیں۔

اسلام اجتماعی نظام میں، مختلف قسم کے ناجائز اور غلط استعمالات وفائدوں کی روک تھام کرتا ہے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ اقتصادی یا ثقافتی شعبہ میں کسی قسم کا کوئی ناجائز یا غلط فائدہ اٹھا سکے۔ اس کڑی روک تھام اور پابندی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انحرافی رجحانات کی جڑیں سوکھ جائیں۔

کبھی کبھی حق بات نہ سننے اور حق بات کی تبلیغ کے فقدان کی وجہ سے لوگ فکری اور

عقیدتی انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلام اپنے سماجی ڈھانچے کی تشکیل کے دوران اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ لوگ حق کی شناخت وتبلیغ سے محروم رہ جائیں بلکہ وہ لوگوں کو حقائق سے بخوبی آشنا کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی وجہ سے اس نے تبلیغ دین یعنی حق بات کو لوگوں تک پہونچانے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اس فریضہ وذمہ داری کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی انسان ابہام و کج فکری کا شکار نہ ہونے پائے اور عقائد حق کی شناخت کا راستہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسلام فتنہ گری اور عقائد حقہ پر کسی قسم کے دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور مسئلہ ارتداد سے متعلق اسلامی اصول قوانین کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

ایک سوال کا جواب: مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ممکن ہے کہ اسلام میں موجود بعض مسائل کے سلسلے میں کچھ تردیدات وجود میں آئیں۔ ان میں سے ایک تردید قرآن مجید میں کفار و مشرکین اور باطل عقائد والوں کے سلسلے میں موجود آیات سے مربوط ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اگر اسلام آزادی عقیدہ کو اپنے معاشرہ میں پوری طرح رائج رکھنا چاہتا ہے تو پھر باطل عقائد کے بارے میں قرآن مجید میں اتنی زیادہ آیات کیوں پائی جاتی ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آیہ کریمہ، جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، مسلمانوں کے نام یہ حکم جاری نہیں کرتی ہے کہ کسی کافر کو اس کے اعمال نہیں بلکہ عقیدہ کی وجہ سے رنج ومصائب کا نشانہ بنایا جائے۔ کفار کے خلاف جنگ کرنے کی بات اس وقت کہی گئی ہے جب کافر اسلامی نظام واسلامی عقائد کے خلاف حملہ آور جنگ ونبرد آزمائی پر آمادہ ہو۔ حملہ وتجاوز کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی معاشرہ کا دفاع کریں یا بعض قرآنی آیات کا تعلق ان سرداران کفر اور ملحد وطاغوتی نظام کے رہنماؤں سے ہے جو قوموں کو اپنا قیدی بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اعتقاد کفر کے سلسلے میں ہمیں قرآن مجید میں ایک آیت ملتی ہے جو خصوصی طور پر مسلمانوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ اس

اعتقاد کے رکھنے والوں کے ساتھ، اگر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تجاوز یا تعرض نہیں کیا تو خوش اخلاقی سے کام لیا جائے۔

سورۂ مبارکہ ممتحنہ کی ساتویں آیت میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ "لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلونکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم لتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔"

یعنی خداوند عالم ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے نہیں روکتا ہے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے سے بھی منع نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے تمہارے دین کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ خداوند عالم ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ خداوند عالم تو نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں عدل وانصاف کا مطلب اس معاشرہ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ونگہداری کرنا ہے کیونکہ وہ مرد کافر بھی اسی معاشرہ کا ایک فرد ہے۔فقط اتنا ہی نہیں بلکہ جو لوگ اسلامی معاشرہ کے باہر بھی زندگی بسر کررہے ہیں لیکن اسلامی نظام، مسلمان عوام اور مذہب اسلام کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کرتے ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی اسلامی عدل وانصاف کا اٹوٹ حصہ ہے۔

دوسرا سوال تاریخی اعتبار سے شہرت یافتہ بت شکنی سے وابستہ ہے۔جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور تاریخ توحید میں بہت سے نمایاں اور غیر معمولی اہمیت کے حامل واقعات دکھائی دیتے ہیں جس میں خود پیغمبروں نے بت شکنی کا کام انجام دیا ہے اور ان بتوں کو توڑ کر نابود کردیا جو کچھ لوگوں کے ایمان وتقدیس کا سرمایا ہوا کرتے تھے۔اس سلسلے میں سے ایک نمونہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور دوسرا نمونہ حضرت رسول اکرمؐ سے منسوب ہے جو اس وقت رونما ہوا جب فتح مکہ کے بعد پیغمبر اکرمؐ شہر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ممکن ہے کہ اس واقعہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے لوگ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام میں عقیدہ کی

آزادی کی گنجائش نہیں ہے اور یہ مذہب عقیدہ کی آزادی کا مخالف ہے۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کا مقصد تو اس دور کے خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کرنا رہا ہے کیونکہ اس زمانے کا انسانی معاشرہ جہالت ولاعلمی میں مبتلا رہا ہے اور ان لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کا شرک اور شرک آلود معاشرہ سے اٹوٹ رابطہ رہا ہے۔ اس معاشرہ میں نہ کبھی حق کی آواز بلند ہوئی اور نہ ان کے کانوں تک حق کی آواز پہونچ سکی۔ اگر ان لوگوں کو اس خواب گراں سے بیدار کرنا مقصود ہے تو یہ کام فقط ایک عظیم تحریک کے ذریعہ ہی ممکن ہے لہذا حضرت ابراہیمؑ اپنی جوانی کے زمانہ میں بتخانہ کے اندر تشریف لے گئے اور ان بتوں کو ہتھوڑے سے توڑ ڈالا لیکن بڑے بت کو نہ توڑا بلکہ ہتھوڑا اس بڑے بت کے گردن میں لٹکا دیا۔ انھوں نے یہ کام اس زمانے کے خوابیدہ ذہن لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے انجام دیا تھا تا کہ وہ لوگ عقل وشعور سے کام لیں۔ اسکے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں سے ایسی گفتگو کی اور خداوند عالم کے اس صالح بندے نے ایسی عاقلانہ راہ وروش کا استعمال کیا کہ وہ لوگ ذہنی طور پر پوری طرح بیدار ہو گئے اور ان کے ذہنوں پر پڑی ہوئی غفلت ونادانی کی گرد صاف ہوگئی۔ قرآن مجید حضرت ابراہیمؑ کی گفتگو کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ''فرجعوا الی انفسهم فقالوا انكم انتم الظالمون۔'' یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اپنی اس حرکت اور گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے ذہنوں کو جھنجوڑ چکے اور ان لوگوں پر اپنی گفتگو کا خاطر خواہ اثر مرتب کر چکے تو وہ لوگ خود بخود حقیقت کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان لوگوں نے آپس میں اس موضوع پر بحث ومباحثہ شروع کردیا۔ ان لوگوں کا ضمیر بیدار ہوچکا تھا لہذا ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہم لوگ خود ہی ظالم ہیں اور ہمیں ابراہیم پر لعنت وملامت نہ کرنی چاہئے۔

بالکل اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں جو بت شکنی انجام دی تھی اس کا مقصد مکہ والوں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنا نہیں تھا۔ پیغمبرؐ بت شکنی کا کارنامہ انجام دیتے ہوئے درحقیقت طاغوتی نظام کی علامتوں کو نیست ونابود کردینا چاہتے تھے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے

کسی ملک میں انقلاب برپا کرنے والے لوگ اس دور میں رائج نظام کی تمام علامتوں اور نشانیوں کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ دور جانے کی بات نہیں ہے بلکہ خود ہمارے ملک میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے دوران ظالم شاہی حکومت کی جملہ علامتوں کو پوری طرح مٹادینا چاہتے تھے لہذا انھوں نے ملک کے چوراہوں، پارکوں اور عمومی مقامات پر نصب شاہی حکومت کی ہر نشانی کو پوری طرح نابود کردیا۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے بھی ان بتوں کو جو اس وقت کی مشرکانہ حکومت کی علامت تھے اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے، زمین پر پٹک دیا اور وہ پوری طرح چکنا چور ہوگئے۔ پس واضح رہے کہ بت شکنی کا مقصود طاغوتی حکومت کی نشانی کا خاتمہ تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر سرزمین مکہ میں داخل ہوئے بھی انھوں نے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم نہیں کیا اور انہیں طاقت کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر ہرگز مجبور بھی نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے مکہ والوں کے گھروں کی تلاشی لی کہ کس گھر میں چھوٹے بڑے بتوں کو چھپارکھا ہے اور نہ کسی کے گھر سے بت نکال کر اسے نابود کیا۔

درحقیقت پیغمبر اکرمؐ نے باطل اور جاہل حکومت یا نظام کی علامتوں اور نمونوں کو نابود کردیا جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انھوں نے ایک قلبی عقیدہ وایمان کو قبول کروالے کے لئے طاقت کا استعمال کیا تھا۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتد کے سلسلے میں غیرمعمولی شدت سے کام لیا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد اسلام سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے دوبارہ کفر کی طرف مائل ہوگئے ان کے ساتھ اسلام نے غیرمعمولی شدت اور سختی سے پیش آنے کی بات کہی ہے جس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ایمان واعتقاد کے سلسلے میں طاقت کا استعمال کیا ہے۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں موجود قرآنی آیات سے شاید یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اسلام اپنے اس عمل کے ذریعہ اسلامی ایمان واعتقاد کے حصار کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے کے بعد اسلام، اسلامی نظام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان لانے کی حفاظت کرے۔ دوسری عبارت میں اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان کی بھرپور حفاظت کرے۔ ارتداد کے بارے میں نازل ہونے والی آیہ کریمہ میں وارد ہے۔ ''من کفر بعد ایمانہ الا ومن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔'' یہ آیت حضرت عمار یاسر کے سلسلے میں نازل ہوئی اور اس آیہ کریمہ کے آخر میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ''ذالک بانہم استحبوا الحیاۃ الدنیا علی الآخرہ۔''

دین کے دائرہ سے خارج ہوجانے والے مرتدین کے سلسلے میں خداوند عالم کے غیض وغضب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیوی زندگی اور عیش وعشرت ونفسانی خواہشات کو انسان کے فطری، قلبی اور روحانی مطالبات اور آخرت پر ترجیح دی۔ پس بات فقط ایک اعتقاد کی تبدیلی کی نہیں تھی بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے مادی کشش ونفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اسلامی نظام کی حیثیت عرفی کو نقصان پہونچائیں اور اسلام سے روگردانی اختیار کرلیں۔ یہ کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے اور اسلام نے اس سلسلے میں اسی وجہ شدت سے کام لیا ہے۔

البتہ یہ بات بھی پوری طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں مذہبی ایمان واعتقاد کی آزادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے مکاروں اور فریب کاروں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں لوگوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالیں۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ مادی کشش اور نفسانی ہوس پر مبنی پروگراموں کے ذریعہ کمزور دل لوگوں کو اپنی طرف راغب کرلیں۔ اگر ان فریب کاروں کو اسلامی سماج میں اس قسم کی آزادی عمل حاصل ہوجائے تو یہ لوگ سماج کے سادہ لوح لوگوں کو اپنی طرف ضرور راغب کرلیں گے اور وہ لوگ ان مکاروں کے عمل سے متاثر ہوکر راہ حق سے منحرف اور گمراہ ہوجائیں گے اور اس طرح وہ لوگوں کو بہشت سے نکال

کر دوزخ میں لے جائیں گے۔'' والذین کفروا اؤلیاھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت ۔'' اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ جن لوگوں کا قلب نور ایمان سے منور ہو چکا ہے وہ ان طاغوتی اولیا کے ذریعہ دوبارہ تاریکی کی طرف گھسیٹ لے جائیں لہذا اسلام نے ایسے اعتقادی مسائل کی تبلیغ و اشاعت کی روک تھام کا مکمل اہتمام کیا ہے جو عام لوگوں کے ایمان کو کمزور بناتے ہیں اور ان کے ایمان کی دولت پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ ایسی طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی احکام موجود ہیں۔

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتیں:

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتوں کی طرف متوجہ رہنا لازمی ہے۔

الف: آزادی کے مفہوم کے سلسلے میں آزاد خیالی:

اس کا مطلب ہے کہ مستقل غور و فکر سے کام لیں اور کسی کی فکری تقلید و پیروی ہرگز نہ کریں۔ اگر اس مسئلہ میں، جو ہماری بہت سی ترقیوں کی بنیاد ہے، یہ طے ہوگیا کہ ہم لوگ دوسروں کی تقلید و پیروی کرتے رہیں اور اپنی آنکھوں کو فقط اسی دریچہ کی طرف کھولیں جہاں سے مغربی افکار و عقائد کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو یہ ایک بڑی غلطی ہے اور اس بڑی بھول کے تلخ وخطرناک نتائج بہر حال جھیلنے پڑیں گے۔

ب: آزادی کا ناجائز استعمال نہ کیا جائے۔ بعض افراد بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ آزادیاں حال ہی میں حاصل ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور بیگانہ ریڈیوں کے ذریعہ اس بات کی تبلیغ واشاعت کی گئی ہے۔ سر دست اخباروں اور رسالوں میں لوگ ایسی باتیں لکھ رہے ہیں اور ایسے ایسے اعتراضات کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ گذشتہ دور میں اس طرح حرکت نہیں کرتے تھے گذشتہ برسوں میں ہم لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ لوگ صدر جمہوریہ اور دیگر اعلیٰ اراکین حکومت کے

خلاف اپنے اعتراض آمیز خیالات کے اظہار سے قطعی نہیں ہچکچاتے۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے انقلاب کے بنیادی اصولوں پر بھی نکتہ چینی کی لیکن کسی نے ان لوگوں سے کچھ نہیں کہا۔

اس وقت بھی اگر لوگ مخالفت کرتے تھے اور اپنی راہ وروش کے ذریعہ منطقی سرحدوں کو توڑ دیتے تھے تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی تھی۔ آج بھی بالکل وہی ہو رہا ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی فرق یا تبدیلی نہیں ہے۔ اگر آج بھی لوگ ظلم وفساد اور نحرافانہ عمل انجام دیتے ہیں ت ماضی کی طرح آج بھی ان کے خلاف قانونی قدم اٹھایا جاتا رہا ہے پس یہ ہرگز نہ کہنا چاہئے کہ آزادی حال ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ذمہ دار افراد اخباری نمائندوں کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران باربار یہ اعلان کیا کرتے ہیں کہ آزادیوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے کہیں اصل آزادی سے محروم نہ ہونا پڑ جائے۔ یہ کیسی بات ہے؟ آزادی سے تو جتنا زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے بہتر ہے لیکن سرحد سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ لوگ خداداد حقوق سے جتنا زیادہ فائدہ حاصل کریں گے اسلامی نظام کو اپنے مقصد میں اتنی زیدہ کامیابی حاصل ہوگی لیکن اس سلسلے میں حقیقی سرحدوں کو نگاہ میں رکھنا لازمی ہے۔ واضح رہے کہ یہ سرحدیں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی حکومت اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ان کا تعین کرے۔ اگر دنیا کی دیگر حکومتیں اپنے مفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کرتی ہیں تو کریں لیکن اسلامی جمہوری نظام میں ایسا بالکل ممکن نہیں ہے۔

اسلامی جمہوری نظام کی بنیاد عدالت پر قائم ہے یعنی اگر قائد عدالت کے اصول سے الگ ہٹ جائے تو اس کی قیادت خود بخود ختم ہوجاتی ہے اور اس کی قیادت کے خاتمہ کے لئے کسی دوسرے سبب کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ ایسے نظام حکومت میں کسی مخصوص گروہ، جماعت یا حکومتی نظریہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کیا جائے۔ سرحدیں وہی اسلامی سرحدیں ہیں۔ وہی چیزیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں اور دین کی صحیح فہم کے بموجب جن کو دین کی سرحد تسلیم کیا گیا ہے وہی سرحدیں آج بھی معتبر ہیں اور انہیں کو نگاہ میں میں رکھنا

ہے۔ اگر ان سرحدوں کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے تو اس خلاف ورزی کے لئے حکومت کے ذمہ دار لوگ جوابدہ ہیں۔ ان سرحدوں کے اندر آزادی جیسی دلکش چیز موجود ہے جس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں غیر ذمہ دارانہ خیالات کو ہرگز پسند نہیں کرتا لہٰذا اس کی تکرار مناسب نہیں ہے۔

مختصر لفظوں میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کا مقولہ ومحاورہ درحقیقت ایک اسلامی محاورہ ہے لہٰذا ہم لوگوں کو اسلامی نقطہ نظر سے اس کے بارے میں غور فکر کرنی چاہیے اور اس کے جملہ نتائج کو ایک اسلامی حرکت اور ایک شرعی فریضہ تصور کرنا چاہیے اور سماج میں جو کچھ موجود ہے اس کی قدر کرنی چاہیے اور ان امکانات سے ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہیے اور صاحبان فکر کو اس سلسلے میں زیادہ سے غور وفکر کرنی چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

انقلاب اسلامی ایران:

نور کا دھماکہ

محمد رضا رجب نژاد

جملہ جمالیات کے خالق و مہربان خدا کے نام سے جو تمام خوبصورت و دلکش مناظر کا حقیقی مصور ہے۔

بیشک اسلامی انقلاب کی کامیابی دنیا کے عدیم المثال واقعات میں سے ایک ہے اسلامی انقلاب کی تشکیل میں کارفرما اسباب وعوامل اور اغراض ومقاصد کی منزل ہو یا اس کے سایہ میں حاصل ہونے والی نعمتوں اور برکتوں کی رات بہر حال دنیا میں رونما ہونے والا کوئی بھی انقلاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔

اس انقلاب کی بقاء وجاودانگی کا راز یہ ہے کہ یہ انسانی دنیا کو عشق ومحبت، صلح و سلامتی، امن وعدالت اور خوبصورتی وحسن پسندی کا پیغام دیتا ہے اور اس کا رہبر وقائد ایک نورانی اور خدا کی راہ میں فنا سے ہم آغوش ہونے والا انسان ہے۔

انقلاب اسلامی ایران نے دنیا کے لاکھوں آزادی پسند افراد کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کررکھا ہے۔ اس کی مقبولیت ودلکشی کا حقیقی راز یہ ہے کہ اس نے عالمی انسانی برادری کو محبت عدالت، آزادی اور خود شناسی کی دعوت دی ہے۔

اس انقلاب نے لوگوں کے دل کی گہرائی میں اپنی جگہ بنالی اور انسان کی روح کو پاکیزگی سے مالامال کردیا۔ انسان کا قلب چہرۂ غیب کا آئینہ ہے بشرطیکہ دل کے اس آئینہ پر مٹی جمع نہ ہونے پائے۔

انقلاب اسلامی ایران ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کا خواہاں ہے جو عشق ومحبت اور

حسن وجمال سے مالامال ہو۔

انقلاب اسلامی ایران خداوند عالم سے کئے گئے وعدہ کی تجدید ہے اور خداوند عالم تو عشق کا مکمل ترین مظہر ہے۔ جو شخص حق سے متصل ہوگا وہ لافانی ہو جائے گا۔

انقلاب اسلامی ایران کا نام روح اللہ خمینیؒ کے نام سے غیر معمولی طور پر وابستہ ہوگیا ہے اور پوری دنیا میں اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔

روح اللہ امام خمینیؒ کے بارے میں اظہار خیال کرنا ایک دشوار امر ہے اور ان کے افکار وعقائد اور عظیم کارناموں کا تجزیہ کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے۔

روح اللہ خمینی اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے عالمی سیاسی توازن کو مذہبی افکار پر منحصر گہری تبدیلیوں کے ذریعہ ایک ترقی یافتہ باب میں تبدیل کر دیا۔

روح اللہ خمینی درحقیقت ایک عظیم عارف، اجتہاد کی عظیم ترین منزل پر فائز ایک مرد فقیہ، ایک عظیم معلم اخلاق، دنیوی جھمیلوں سے آزاد ایک مرد زاہد، عملی سلوک کے راز ورمز سے بھری ہوئی وادی کی گہرائی میں گوشہ گیر ایک آزاد خیال دانشور، ایک دیندار ماہر سیاست جس کو دنیا میں موجودہ صدی کے دانشمند ترین سیاسی قائد کا درجہ حاصل ہے۔

اگرچہ انقلاب اسلامی ایران کے معمار عظیم الشان کی بلند روح ناپائدار دنیوی تعلقات سے جدا ہوکر ملکوت اعلیٰ سے متصل ہوچکی ہے لیکن ان کی روح آج اور ہمیشہ دنیا کے لاکھوں پاکیزہ نفس افراد کے جسم میں جاری رہے گی اور ان کے تابناک افکار وعقائد دنیا کے لاکھوں خدا طلب انسانوں کے ذہن میں موجزن رہیں گے کیونکہ اسلامی انقلاب دنیا کے لاکھوں کمزور وپسماندہ لوگوں کا عاشق اور ان کی خوشی ورنج وغم میں شریک ہے۔ خداوند عالم کے فضل وکرم کے سایہ میں آج فقط ملت اسلامیہ ایران ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے آزادی پسند لوگ انقلاب اسلامی ایران کی ۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر جشن منارہے ہیں۔

اس موقع پر اس سے زیادہ مناسب بات اور کیا ہوگی کہ اسلامی انقلاب کے اس عظیم

الشان بانی امام خمینی کی مناجات کے ساتھ اپنی بات ختم کردی جائے۔

اے وہ خدا! جس نے اولیاء کے قلوب کو محبت کے نور سے منور بنادیا اور اپنے جمال کے عاشقوں کو ہم اور میں'' کے جھمیلوں سے بے نیاز کردیا اور کم مایہ وخود خواہ افراد کے ہاتھوں کو اپنی بارگاہ عالیہ تک نہیں پہونچنے دیا۔

ہم لوگوں کو دنیا کی اس زرق برق اور مستی ورعنائی سے ہوشیار رکھ

اورفطری خواب غفلت سے بیداری عنایت کردے۔

اور اپنے ہلکے سے اشارہ سے خود پرستی اور خودپسندی کے موٹے پردوں کو ہمارے سامنے سے ہٹادے۔آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

"اسلامی جمہوریۂ ایران میری نظر میں"

پروفیسر محمد اختر صدیقی

صدر شعبہ تربیت اساتذہ و ڈائریکٹر اکیڈمک اسٹاف کالج

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مغربی ایشیائی ممالک میں اسلامی جمہوریۂ ایران ایک ایسا ممتاز و معروف ملک ہے جس کا طویل تابناک ماضی اور ترقی پذیر حال دونوں ایک امتیازی حیثیت کے حامل ہیں جو ایک قدیم تمدن وثقافت کا گہوارہ اور ہمیشہ سے فنون لطیفہ کے دلدادہ اور دانشوروں کا مسکن رہا ہے۔ تعلیمی میدان میں آج سے سیکڑوں بلکہ ہزار برس قبل بھی اس کا ایک امتیازی مقام تھا۔ اسی امتیازی حیثیت کے سبب اس کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں کی تیز روشنی نے آس پاس کے ممالک جن میں ہندوستان بطور خاص قابل ذکر ہے کو صدیوں تک منور رکھا۔ جس کے دلکش فن تعمیر نے اطراف کے ممالک میں نہ صرف مقبولیت حاصل کی بلکہ ان ممالک کے طرز تعمیر کو ایک نئی اور پر رونق شکل میں ڈھالا تھا جس کی دستکاریوں کے جادو نے ہندوستان کے عوام کی تخلیقی صلاحیتوں کو ایک نئی سمت بھی عطا کی۔

ایک دیرینہ مضبوط ثقافتی ورثہ اور سرمایہ کا مالک ہونے کے سبب ایران نے اطراف کے ممالک بالخصوص برصغیر کی تہذیب کو خوب متاثر کیا تھا اور یہاں کی زبان، اقدار، معاشرتی زندگی اور تعلیمی نظام وغیرہ پر اپنی واضح چھاپ چھوڑی تھی جس کے گہرے نقوش آج بھی جابجا نظر آتے ہیں۔ انہیں ثقافتی وفنی سرمایوں سے مالامال اور اقتصادی وتعلیمی اعتبار سے نہایت قوی ایران آج بھی ایک اہم اور قابل ذکر قوم کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر چمک رہا ہے۔ تقریباً نو کروڑ کی آبادی والے اس ملک میں اکثر باشندے دین اسلام کے ماننے والے ہیں۔ جنہوں نے ظہور اسلام کے ابتدائی دور سے ہی اسلام کو اپنی دنیوی واخروی زندگی میں کامیابی کا واحد

ذریعہ تسلیم کرلیا تھا اور تب ہی سے یہ اسلام کی پیروی اور تبلیغ و اشاعت میں سرگرم ہو گئے البتہ ماضی قریب میں چند ایک صدیاں ایرانی تاریخ میں ایسی بھی گزریں جن میں اس ملک کا اسلامی تمدن سے فعال ارتباط کچھ ماند پڑ گیا تھا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس دور کے سربراہان مملکت کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ جدید دور میں مغربی تہذیب وعلم ہی ان کی اور ان کے عوام کی ترقی اور دائمی بقاء کا اصل ذریعہ ہوسکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی تہذیب کی قوی اقدار کو پس پشت ڈال کر سماج پر مغربیت کی قلعی چڑھانے کی ایک مستقل مگر کھوکھلی مہم چھیڑ دی تھی۔ اگرچہ یہ ایک ایسا عمل تھا جسے ایران کے ذی شعور اور ذی فہم عوام کی تائید حاصل نہیں تھی اور یہ طبقہ مسلسل اس جدوجہد میں مشغول تھا کہ کسی طرح اس غلامانہ اور باغیانہ ذہن اور سوچ سے پوری قوم کو آزاد کرواکر انہیں واپس اسلام کے زریں ضابطۂ حیات میں رہنے کی راحت وآزادی فراہم کروادی جائے۔ ان کی مخلصانہ جدوجہد بالآخر رنگ لائی اور بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں ایران میں تاریخ ساز انقلاب اسلامی رونما ہوا اور اس کے نتیجہ میں ملک میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور پھر سے اسلامی معاشرت واسلامی اقدار کا سماجی زندگی میں ایک عام چلن شروع ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک کے عوام کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہوگی کہ اسے ان کے کھوئے ہوئے ثقافتی و مذہبی سرمایہ کو لوٹا دیا جائے اور اسے ایسا پرسکون ماحول مہیا کردیا جائے جس میں وہ آزادی کے ساتھ اپنے عقیدے اور دین پر عمل کرسکیں اور اسکے مطابق زندگی گذار سکیں۔ اس تاریخ ساز سماجی تبدیلی کے وقت حتّیٰ کہ آج بھی بہت سے مغربی اور مغرب زدہ قوموں اور گروہوں کو اس بات پر شک تھا اور بعض کو آج بھی ہے بلکہ وہ اپنے مفاد کے لئے ایسے اشکالات کا قصداً ڈھونگ رچاتے رہتے ہیں، کہ اسلامی اقدار، اسلامی نظام حکومت اور اسلامی نظام معاشرہ آج کے تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دور میں موزوں متبادل نہیں ہے اور اس نظام کے ذریعہ بین الاقوامی معاشی وسیاسی دوڑ میں کامیاب ہونا اور سبقت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

بہ الفاظ دیگر اس نظام کو اپنانے سے جدید ترین علوم کی تعلیم و تحقیق کا فروغ، عوام میں سائنسی رجحانات کی نشو ونما اور نئی ٹیکنالوجی کا زندگی کے مختلف شعبوں میں کا استعمال کرنا مشکل ہوجائے گا۔ ایران میں اسلامی انقلاب کو رونما ہوئے تقریباً ایک چوتھائی صدی گذر چکی ہے۔ یہ اتنی بڑی مدت ہے کہ جس میں اسلامی انقلاب کی مثبت یا منفی دونوں اثرات کے اشارات ونشانیاں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ جدید دور کے سیاق میں بہت کامیابی کے ساتھ یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ اگر اسلامی نظام کو ہوشیاری، چابکدستی، خلوص، مصلحت اور جہاندیدگی کے ساتھ زیر عمل لانے کی منصفانہ ومنظم کوشش کی جائے تو اس کے تحت ملک وقوم بلکہ سماج کا ہر فرد امن وعافیت اور خوشحالی کی زندگی گذار سکتا ہے۔

یہ وہ احساسات ہیں جو میرے ایران کے حالیہ سفر کے دوران حاصل ہونے والے خوشگوار مشاہدات وتجربات کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں اور شاید اپنے ملک میں بیٹھ کر اخبار ورسائل اور برقی میڈیا کے توسط سے یہ مشاہدات کرنا اور دل کی گہرائیوں میں ان احساسات کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ انہیں براہ راست مشاہدات نے آج کے ایران کو سمجھنے اور آج کے تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی تناظر میں اس کو درپیش چیلنجوں کا اندازہ کرنے میں کافی مدد کی ہے۔ اس سفر کے دوران یہ یقین بار بار پختہ ہوتا گیا کہ اسلامی نظام حکومت والا ملک بھی آج اور مستقبل میں بھی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کی تمام صلاحیتیں وقوتیں رکھ سکتا ہے اور ان کے شانہ بشانہ ترقی کرسکتا ہے۔

عجب اتفاق ہے کہ میرا سفر ایران ایسے دن شروع ہوا جب کہ ایرانی عوام اور حکومت ایک نہایت اندوہناک اور غمناک آسمانی آفت یعنی شدید زلزلہ کی زد میں آئے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ قدرت کی جانب سے ایرانی عوام کے مزاج، ان کی انسانی اقدار اور ان کے سماجی رشتوں کی قوت کو سمجھنے کا مجھے ایک موقع فراہم کیا گیا تھا صوبۂ کرمان کے قصبہ بم میں شدید زلزلہ نے جو تباہ کاری مچائی تھی اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا ممکن ہی

نہیں۔ اس حادثہ نے پورے ملک کے عوام کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہر فرد خواہ عورت ہو کہ مرد، بچہ ہو کہ بوڑھا ایسا محسوس کرتا ہو نظر آتا تھا جیسے کہ خود اس کے افراد خاندان بلکہ اس کے باپ بھائی، ماں بہنیں وغیرہ اس زلزلہ میں کام آگئے ہوں۔ میں نے اس طرح کی ملی ہمدردی اور اسلامی اخوت ومحبت کا اتنا وسیع مظاہرہ پہلی مرتبہ اتنے قریب سے دیکھا۔ باوجود اس کے کہ ایران میں یہ شدید سردی اور برفباری کا زمانہ تھا لیکن ہر شہر میں نوجوان لڑکے لڑکیاں، برقعہ پوش عورتیں اور مرد جابجا کیمپ لگائے ہوئے زلزلہ زدگان کے لئے سامان امداد اور رقومات اکٹھا کر رہے تھے اور عوام بھی خوب فراخدلی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ زلزلہ کے بعد دو تین دن تک تہران ایرپورٹ کے قرب وجوار کی شاہراہوں پر محض اس لئے ٹریفک جام رہا کہ امداد عطیہ کرنے والے عوام کی دو دو کلو میٹر لمبی قطاریں سڑکوں پر لگی ہوئی تھیں اور یہ لوگ ایرپورٹ کے نزدیک لگے کیمپوں میں اپنے عطیات دینے کا انتظار کر رہے تھے تا کہ ایرپورٹ سے عطیات جلد اور براہ راست زلزلہ زدگان تک پہنچ جائیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کا یہ حال تھا کہ ان کے کئی چینل مستقل زلزلہ زدگان سے متعلق خبریں، انہیں ملبہ سے نکالنے کے اقدامات، ان کی بازآبادکاری کے منصوبے، وغیرہ بڑے موثر، دلسوز اور تخلیقی انداز میں مستقل پیش کر رہے تھے اور ان پروگراموں میں شاذونادر ہی اکتاہٹ کا کوئی پہلو نظر آتا تھا۔ ہر مرتبہ ایک نیا پروگرام، نئے کاربدے ایک نئے انداز سے پیش کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان پروگراموں کا ایک مخصوص اثر یہ تھا کہ ایرانی عوام کا اپنے برداران وطن کے تئیں محبت وایثار کا جذبہ اور مستحکم ہو رہا تھا۔ جب میں ایران سے لوٹ رہا تھا تو بم میں زلزلہ آئے ہوئے آٹھواں دن ہو چکا تھا مگر اتنے دن بعد بھی عوام کے متاثرین زلزلہ کے تئیں جوش محبت وہمدردی میں کوئی کمی ہوتی نظر نہیں آئی تھی۔ دوسری جانب حکومت کا یہ حال تھا کہ صدر جمہوریہ نے قصبۂ بم میں کھنڈرات کے درمیان ہی حکومت کے تمام اہم ارکان کی میٹنگ طلب کر لی تھی تا کہ موقع پر ہی حالات کا جائزہ لیا جائے اور ضروری اقدامات کے لئے فیصلے بھی کئے جائیں۔ اس اقدام سے

حکومت کی عوام کے تئیں احساس ذمہ داری اور خلوص کا پتہ چلتا تھا۔اس پورے حادثہ کے منظر نامہ نے مجھے ایرانی عوام کے جذبہ ایمانی وانسانی کو سمجھنے میں بڑی مدد کی اور میرے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

مہران ہوائی اڈے کے باہر آتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ ایران میں کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس کا ایک بنیادی سبب یہ بتایا گیا کہ ایران میں اسلامی حکومت نے پیٹرول کی قیمت بہت کم کررکھی ہے۔ حالانکہ تیل پیدا کرنے والے اور بھی ممالک ہیں مگر دنیا میں حیرت انگیز حدتک پیٹرول کی کم قیمت ایران ہی میں ہے یہاں پٹرول تقریباً ساڑھے تین روپے فی لیٹر دستیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے سبب عام آدمی کے لئے کار رکھنا کوئی مہنگا عمل نہیں ہے۔ باوجوداس کے کہ شہروں میں کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے سڑک حادثہ شاذونادر ہی کہیں ہوتا ہے اس کے بھی دو بنیادی اسباب نظر آئے۔ ایک تو یہ کہ عام طورپر عوام ٹریفک کے قوانین پر ذمہ داری سے عمل کرتے ہیں اور سڑک پر پیدل چلنے والوں اور سڑک پار کرنے والوں کا خاص احترام کرتے ہیں۔ اگر کسی مرد یا عورت نے سڑک پار کرنے کے لئے قدم آگے بڑھادیا تو گاڑی والے بلاتامل گاڑی کی رفتار دھیمی کردیں گے اور گاڑی روک دیں گے تاکہ پیدل چلنے والا محفوظ طریقہ سے سڑک پار کرلے۔ کیا مجال ہے کہ کوئی گاڑی چلانے والا ناراض ہوجائے یا سڑک پار کرنے والے کو غصہ میں برا بھلا کہدے۔ حادثات نہ ہونے کا دوسرا سبب سڑکوں اور پلوں کا بہترین نظام نظر آیا ایک طرف تو سڑکیں بہت اچھی حالت میں بنائی گئی ہیں اور ان کی مستقل دیکھ ریکھ ہوتی ہے دوسرے جابجا فلائی اُور، اور سڑک پار کرنے کے لئے پل تعمیر کئے گئے ہیں جن سے ٹریفک روانی سے چلتا رہتا ہے۔چھوٹے بڑے سبھی شہروں میں پلوں کو بہت خوبصورت ڈیزائنوں میں تیار کیا گیا ہے اور ان پر مستقل رنگ روغن کیا جاتا ہے جن سے سرکاری کارندوں اور عوام دونوں کے جمالیاتی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایران میں ہوائی اڈوں، شاہراہوں، پلوں، فیکٹریوں، دفاتر، ودیگر عمارتوں کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کی تعمیر

میں جدید ترین ٹیکنالوجی کو پوری طرح زیر عمل لایا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان تمام عمارات وغیرہ کو خود ایرانی انجینئروں اور معماروں نے تعمیر کیا ہے۔ ایران میں ایسی بہت سی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں جو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی بڑے بڑے تعمیراتی کام انجام دے رہی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی نظام تعلیم ایسے ماہر انجینئر، ڈاکٹر، معمار اور دیگر پیشہ ورانہ ماہرین تیار کرنے کا کام کامیابی کے ساتھ کر رہا ہے جو جدید ترین ٹیکنالوجی سے بخوبی آشنا ہیں اور اس میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس مہارت کا ایک اور نمونہ خراسان کے مقدس شہر مشہد میں نظر آیا جہاں حضرت امام رضا کے روضہ کی تعمیر نو وتوسیع کا کام اس عمدہ طریقہ سے کیا جارہا ہے کہ اب اس میں بیک وقت کئی لاکھ افراد جمع ہوسکتے ہیں۔ روضہ مبارک کے نیچے پارکنگ اور سڑکوں کا جال اس عمدہ طریقہ سے بچھایا گیا ہے کہ اوپر کے صحن میں ذرہ برابر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس کے نیچے اتنی جگہ نکالی گئی ہوگی۔

ایران کی عوام کے بیچ رہتے ہوئے ایک تجربہ یہ بھی ہوا کہ یہ لوگ بڑے سکون اور امن کی زندگی گذار رہے ہیں اس عرصہ میں کہیں دو افراد کو لڑتے یا زور سے بات کرتے یا غصہ کرتے ہوئے بھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ایرانی عموماً رحمدل اور صدقہ وخیرات کرنے والے نظر آئے۔ ان کی اس طبیعت کو دیکھ کر حکومت نے سڑکوں اور بازاروں میں جابجا صدقات وخیرات جمع کرنے کے لئے چھ پہلی بکسے نصب کردیے ہیں جن پر صدقات لکھا ہوتا ہے لوگ حسب خواہش ان میں صدقہ کی رقم ڈالتے رہتے ہیں۔ مقررہ مدت کے بعد متعلقہ محکمہ کا ملازم انہیں کھول کر رقم نکال لیتا ہے اور مرکزی دفتر میں جمع کردیتا ہے یہاں سے ان صدقات کو ضرورتمندوں تک پہنچانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شاید اسی نظام کے سبب ایران میں سڑکوں پر بھیک مانگنے اور دینے کا رواج نہیں ہے۔

ایران کے سفر کے دوران وہاں کے تعلیمی نظام کو بھی سمجھنے کا موقع ملا۔ دنیا میں اکثر یہ تصور کیا جاتا ہے بلکہ اس کا پروپگنڈہ زیادہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی حکومتیں قدامت پسندی،

دقیانوسی خیالات اور شدت پسندی کی حامی ہوتی ہیں اور ان کا جدید دنیا، جدید تعلیم اور جدید ٹیکنالوجی سے صرف دور کا واسطہ ہوتا ہے ان کا اصل نصب العین صرف اسلام کی اشاعت و تبلیغ ہوتا ہے اور وہ بھی جارحانہ طور پر۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں حقیقت اس کے بالکل برعکس نظر آئی۔ یہ کہنا بے جا ہوگا کہ انقلاب سے قبل ایران میں تعلیم کا پھیلاؤ بہت کم تھا اور یہاں خواندگی کی شرح عموماً بہت کم تھی۔ انقلاب کے بعد ایران میں تعلیمی ترقی بہت تیزی سے رونما ہوئی ہے۔ بیرونی دنیا شاید یہ سمجھتی ہو کہ اسلامی حکومت نے اسلامی تعلیمات اور تدریس پر اپنی اصل توجہ صرف کی ہوگی اور ملک عصری تعلیم، لڑکیوں کی تعلیم، اعلیٰ و تکنیکی تعلیم کو پس پشت ڈالدیا ہوگا۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حکومت وقت نے عصری اور سیکولر تعلیم کی ترقی کے لئے بہت بڑے پیمانے پر اقدامات کئے ہیں جس کے نتیجہ میں آج ایران میں شرح خواندگی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں بھی بہت تیزی سے پھیلاؤ آیا ہے جس کے سبب اعلیٰ تعلیم کی مانگ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اضافہ کا عالم یہ ہے کہ انقلاب کے بعد تقریباً ہر شہر میں کم از کم ایک یونیورسٹی ضرور قائم ہوگئی ہے۔ جبکہ انقلاب سے قبل محض تہران میں ہی ایک یونیورسٹی تھی اب خود تہران میں کئی یونیورسٹیاں قائم ہوچکی ہیں۔

اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ اضافہ نہ صرف اسکولی سطح پر ہوا ہے بلکہ اعلیٰ تعلیم میں بھی لڑکیوں کی نمائندگی کافی بڑھی ہے۔ بالخصوص پیشہ ورانہ کورسوں میں سے بعض میں تو ان کی تعداد لڑکوں کے برابر ہوگئی ہے۔ طالبات سے گفتگو کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آج بیشتر لڑکیاں کسی بھی صورت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی آرزومند ہیں۔ یہ تبدیلی سابقہ دو دہائیوں میں رونما ہوئی ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر حکومت وقت نے لڑکیوں کے لئے غیر مخلوط اور پیشہ ورانہ تعلیم کا معقول انتظام کیا ہے جس میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

انقلاب کے بعد کے دور میں عصری تعلیم پر جس طرح توجہ دی گئی ہے وہ تو یقیناً قابل ستائش ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے ملک میں چل رہی روایتی اسلامی تعلیم پر بھی اس اعتبار سے توجہ دی ہے کہ اسے جدید تقاضوں کے مطابق بنانے، اسے جدید رجحانات سے آشنا کرانے اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے سازگار ماحول مہیا کیا ہے۔ لیکن اس پورے عمل میں حکومت نے محض ایک ترغیب کار اور معاون کا کام انجام دیا ہے اور اصل ترقی وتبدیلیوں کو لانے کے تمام اختیارات اسلامی تعلیم کے اداروں کی جماعتوں یعنی حوضوں کو ہی سونپ دیئے ہیں اس طرح حوضے پوری آزادی اور خودمختاری کے ساتھ مدارس وجامعات قائم کرنے، ان کے نصاب مرتب کرنے اور دینی تعلیمی سہولیات کا اہتمام کرنے میں منہمک ہیں۔

حکومت کی اس غیر جانبدارانہ اور غیر مداخلتی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انقلاب کے بعد اسلامی علوم کی تعلیم کے لئے ابتدائی مدارس سے لے کر اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں اور جامعات تک بہت سے اداروں کا قیام عمل میں آیا ہے اور پہلے سے موجود اداروں میں ایک نئی قوت پیدا ہوئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لڑکوں کے ساتھ ساتھ اب لڑکیوں کے لئے بھی بڑی تعداد میں اسلامی مدارس قائم ہو چکے ہیں آج ایران میں تقریباً دو سو سے زیادہ لڑکیوں کے مدرسے اسلامی علوم کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان سبھی مدارس ودرسگاہوں میں ملک اور بیرونی ملک کے طلباء وطالبات تعلیم حاصل رہے ہیں۔ دینی تعلیم کی درسگاہوں کا معیار تعلیم بھی خاصا اونچا ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ان مدارس میں داخلہ کے وقت داخلہ کے متمنی لڑکے لڑکیوں کو کئی مراحل پر جانچا جاتا ہے اور ہر طرح سے چھان پھٹک کر ان کا انتخاب کیا جاتا ہے چنانچہ ایسے طلباء جو سنجیدگی اور محنت کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان اداروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ نصاب اور ترتیل نصاب میں بعض ایسی باتیں شامل کی گئی ہیں جن سے معیار تعلیم خود بخود بہتر ہو گیا ہے۔ مثلاً تمام طلباء کے لئے کمپیوٹر سیکھنا، انٹرنیٹ استعمال کرنا اور ان کی مدد سے تفویضات وغیرہ مکمل کرنا نصاب کا حصہ

ہے۔ اسی طرح بہت سے مدارس نے انگریزی اور عربی زبان کو نصاب میں شامل کرلیا ہے۔ ان زبانوں کے علم سے طلباء زیادہ وسیع پیمانے پر اور مختلف ماخذ سے مواد آموزش حاصل کرتے ہیں اور بہتر آموزش کرتے ہیں اسی طرح طریقۂ تدریس میں بھی جدید طریقہ کو شامل کیا جارہا ہے اور تعلیمی ٹیکنالوجی کا اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔ انہیں مدارس میں سے بعض ادارے صرف اس کام میں مشغول ہیں کہ وہ اہم دینی کتب کے کمپیوٹر پروگرام تیار کررہے ہیں اور ان کی سی ڈی تیار کررہے ہیں اور مختلف اسلامی ویب سائٹ چلارہے ہیں۔

غرض کہ موجودہ اسلامی حکومت ایران نے اسلامی علوم کی تعلیم پر متوازن طور پر توجہ دی ہے اور اسے بھی جدید رجحانات ٹیکنالوجی سے بہرہ مند ہونے اور اسلامی علوم کے طلباء کو جدید زمانے کے ذرائع ابلاغ ورسل ورسائل سے پوری طرح واقف کروانے اور انہیں دعوت وتبلیغ میں کامیابی کے ساتھ استعمال کروانے کا بھرپور موقع فراہم کیا ہے۔

مدارس میں تعلیمی معیار اونچا ہونے کا ایک اور بالواسطہ سبب بھی سامنے آیا جو بذات خود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ انقلاب کے بعد سے مدارس میں پڑھنے والے سبھی طلباء کو ماہانہ وظیفہ کی ایک مخصوص رقم حوزہ کی جانب سے ادا کی جاتی ہے۔ اس رقم کا تعین طالب علم کی خانگی حیثیت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے مثلاً اگر طالب علم مجرد ہے تو اسے ایک مخصوص رقم وظیفہ ادا کی جائے گی اگر وہ شادی شدہ ہے تو رقم میں اضافہ کردیا جائے گا اور بچوں کی ولادت کے ساتھ ساتھ اس رقم میں مزید اضافہ کردیا جائے گا۔ عام طور پر وظیفہ کی رقم اتنی ہوتی ہے کہ طالب اس رقم میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے سکتا ہے اور روزمرہ کے اخراجات پورے کرسکتا ہے۔ اس طرح وظیفہ کا یہ نظم طالب علم کو مالی مسائل سے آزاد رہ کر پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ علم حاصل کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس نظم سے اس کی عزت نفس بھی محفوظ رہتی ہے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ ایک خود دار اور غیور عالم بن کر سماج میں قدم رکھتا ہے۔ اس نظام کا براہ راست اثر اسلامی تعلیم کے معیار پر پڑتا ہے کیونکہ طلباء مالی تفکرات سے

آزاد ہوکر یکسوئی کے ساتھ ہمہ وقت علم حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کے علم کی گہرائی وگیرائی دونوں بہتر ہوجاتے ہیں۔

مدارس کے نصاب میں کو بیشتر مضامین روایتی اور دینی علوم سے تعلق رکھتے ہیں جن میں بظاہر ترمیم وتنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود ان مدارس کے بعض اعلیٰ درجات میں تحقیق کا ایک مستقل عمل ہوتا رہتا ہے اور اس کی بنیاد پر حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں نصاب کی جدید کاری کا عمل بھی ہوتا رہتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ انقلاب کے بعد مدارس کے نصاب میں جدید رجحانات کوشامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ نصاب عصری تقاضوں کو پورا کرسکے۔ اسی طرح تعلیم وتعلم کے پورے عمل میں اشتراکی وعملی طریقوں کو اچھی خاصی جگہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ محاضری طریقہ کے علاوہ تفویض کا طریقہ، مباحثہ کا طریقہ، تجزیاتی وتفہیمی حلقوں کا طریقہ، مقالہ نگاری کا طریقہ نصابی کتاب کا طریقہ، انٹرنیٹ کا طریقہ وغیرہ مدارس میں خوب استعمال کئے جاتے ہیں

پورے سفر کے دوران مجھے کہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ حکومت وقت کی طرف سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے کوئی جبریہ اقدام کیا جارہا ہے بلکہ اکثر ایسا محسوس ہوا کہ عوام اپنی فہم وورک کی بنیاد پر رضا کارانہ طور پر اسلامی تعلیمات واقدار کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کے لئے از خود آمادہ ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اسلام دوستی اور پسندیدگی کا ڈھونگ رچانے کے بھی خواہاں نہیں ہیں۔

اقتصادی اعتبار سے بھی ایران کافی مستحکم نظر آیا۔ تیل کی خدا دنعمت کو حکومت نے ملک وملت کی معاشی ترقی کے لئے خوب استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ تیل کا ذخیرہ رکھنے والے بعض، ممالک نے اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے درآمدات کا وسیع دروازہ کھول رکھا ہے۔ حکومت ایران نے ایسا نہ کرکے بہت سی بڑی صنعتیں ملک ہی میں قائم کی ہیں تاکہ ان سے ایک طرف تو روزگار کے مواقع بہتر ہوں اور دوسری جانب ملک کے اندر ہی

سرمایہ کاری کا عمل ہو۔ چنانچہ آج کئی خارجی کمپنیاں ایران میں کاریں تیار کررہی ہیں اور اسی طرح دیگر صنعتوں میں بھی اسی قسم کی پالیسی اپنائی جارہی ہیں۔ بازاروں میں روزمرہ کے استعمال کے سازوسامان کی فراوانی ہے جن میں سے بعض اشیاء تو بین الاقوامی معیار کی نظر آتی ہیں۔ قیمتوں کے اعتبار سے بھی اشیاء موزوں لاگت پر دستیاب ہوجاتی ہیں۔ غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی پذیریت اور خوشحالی نظر آتی ہے۔ ایرانی تندرستی کے اعتبار سے متوازن صحت کے مالک ہوتے ہیں اور ساتھ میں عادات واطوار کے اعتبار سے خوش مزاج، خوش اخلاق، مہمانوں کا احترام ولحاظ کرنے والے ہوتے ہیں۔ خیلی ممنون اور متشکرم اکثر زبان زد رہتا ہے اور معمولی زحمت پر تاسف کا اظہار بھی خوب کرتے ہیں۔ ایرانی عوام اور ذمہ داران حکومت کے تئیں میرے یہ تاثرات ان قلبی نقوش سے اخذ کئے گئے ہیں جو سفر ایران کے دوران غیر دانستہ طور پر میری یادداشت کا دائمی جز بن گئے ہیں۔ خوش باش باشندگان ایران۔ اسلامی جمہوریہ ایران پائندہ باد۔

☆☆☆☆

اسلامی فرقے

از: پروفیسر سید جعفر رضا

قسط دوم

امامیہ مسلک میں اصول دین اور فروغ دین کے معاملات ومباحث میں باہمی طور پر کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ تمام مذاہب امامیہ فقہ جعفری کے پابند ہیں۔ البتہ مجتہد کے حقوق واختیارات کے معاملہ میں اختلاف ہے۔ اس کے نتیجہ میں دو ضمنی مسالک وجود میں آگئے۔ اصولی اور اخباری! ان کے درمیان اختلاف کی نوعیتیں حسب ذیل ہیں:

(الف) عقیدہ وشریعت کے مآخذ کے بارے میں:

(۱) اصولی چار مآخذ کے قائل ہیں۔ قرآن سنن، اجماع اور عقل جبکہ اخباری محض دو مآخذ قرآن وسنن کو مانتے ہیں۔

(۲) اصولی قرآن کے لفظی معانی ومفاہیم اور احادیث کے تعین میں عقل کو دخل دیتے ہیں جبکہ اخباری قرآن واحادیث کی تفہیم میں امام کی تفسیر کی شرط عاید کرتے ہیں۔

(۳) اصولی حدیث کے چار مآخذ۔ الکافی، کتاب فقیہ من لا یحضرہ الفقیہ تہذیب اور استبصار۔ کی بعض احادیث کو وضعی قرار دیتے ہیں، جبکہ اخباری چاروں مآخذ کی تمام احادیث پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۴) اصولی محض ان احادیث کو معتبر قرار دیتے ہیں جنہیں ائمہ نے بیان کیا اور ثقہ شیعوں کے ذریعہ ہم تک پہنچیں۔ جبکہ اخباری سنی روایات بھی قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کرتے۔

(۵) اصولی احادیث کو چار زمروں میں تقسیم کرتے ہیں: صحیح، حق، موثق اور ضعیف۔ جبکہ اخباری محض دو زمروں میں رکھتے ہیں: صحیح اور ضعیف۔

(ب) اصولِ شریعت کے بارے میں:

(۱) اصولی اجتہاد کے قائل ہیں جبکہ اخباری انکار کرتے ہیں۔

(۲) اصولی ظن کی بنیاد پر ان فیصلوں کو درست قرار دیتے ہیں جن کے متعلق قرآن و احادیث سے واضح نص دستیاب نہیں ہو مگر اخباریوں کو محض وہی فیصلے قابل قبول ہیں جن کے متعلق ائمہ سے احادیث ملتی ہوں۔

(۳) اصولیوں کے نزدیک غیبت امام میں مجتہدین کے فیصلوں کو قبول کرنا چاہیے، جبکہ اخباری اسے قبول نہیں کرتے۔

(ج) فقیہ کی حیثیت کے بارے میں:

(۱) اصولی انہیں دو زمروں مجتہد و مقلد میں تقسیم کرتے ہیں۔ اخباری محض مقلدوں کی جماعت قبول کرتے ہیں۔

(۲) اصولی مجتہد کو مجاز مانتے ہیں کہ وہ اصل فقہ کے مختلف پہلوؤں پر شرعی حدود میں فتاویٰ جاری کرسکتا ہے لیکن اخباریوں کے نزدیک یہ محض امام کا دائرہ عمل ہے۔

(۳) اصولی کسی مرحوم فقیہ کے فتاویٰ کی پیروی لازمی نہیں جانتے بلکہ مرجع وقت کی جانب رجوع کرنے پر زور دیتے ہیں لیکن اخباریوں کے نزدیک مرحوم مرجع بھی اسی طرح اہم ہے جس طرح زندہ مرجع۔

اصولی اور اخباریوں کے علاوہ شیخی دبستان بھی ہے، جو اصولیوں سے بعض معاملات میں اختلاف کرتے ہیں لیکن بعد کے ادوار میں شیخی دبستان سمٹ گیا۔ اخباری بھی بہت کم ہیں، اصلاً امامیہ کے معنی عصر حاضر میں اصولیوں کے مترادف ہیں۔ اہل تشیع عموماً اور امامیہ خصوصاً مختلف مسلم حکومتوں کے ادوار میں ظلم وستم کے شکار رہے اور اس بنا پر امامیہ فرقے کے افراد زیادہ تر تقیہ میں زندگی گزارتے رہے تھے، نتیجتاً انکی اولاد اپنے آبائی مسلک سے بے نیاز ہوگئی اور امتداد زمانہ سے ان کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی۔ پھر بھی عصر حاضر میں امامیہ عقائد کے اہل

تشیع کی مجموعی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے، جو دنیا کے ان تمام خطوں میں آباد ہیں، جہاں اہل تسنن آباد ہیں۔ خاص طور پر امامیہ مسلک کے لوگوں کی آبادی ایران، عراق، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، دمشق، لبنان، بیروت بحرین، سعودی عرب، افغانستان وسط ایشیا، یورپ، امریکہ، مشرقی افریقہ وغیرہ میں ہے۔ زیادہ تر اقلیت میں ہیں لیکن بعض ممالک یا علاقوں میں اکثریت میں بھی ہیں۔

سابعون یا اسماعیلیہ:

اس مسلک میں عدد 'سابع' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسماعیلیہ عقیدہ میں حجت خدا کا مخصوص عدد سابع ہے۔ اسی بناء پر سابعون کہے جاتے ہیں [۱] اسماعیلیہ کہلانے کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ امام جعفر صادقؒ (م: ۷۶۵ء) کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل کو امام مانتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں حجت خدا کی دو قسمیں ہیں۔ حجت ناطق اور حجت صامت۔ امامیہ کی طرح اسماعیلیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ہر زمانہ میں کسی نہ کسی امام کا موجود ہونا لازمی ہے۔ [۲] نص امامت کے اصول میں دونوں ضمنی مسالک میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں امامت کو منصوص من اللہ قرار دیتے ہیں۔ حجت خدا کے سات مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سات بہترین نفوس کو امام مقرر کیا، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ، علیؓ ابن الحسینؓ، محمد باقرؒ، جعفر صادقؒ اور اسماعیل بن جعفر صادقؒ ہیں۔ اسماعیل عی امام زمانہ بھی ہیں۔ سات ناطق: آدمؑ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ اور اسماعیلؒ ہیں۔ سات صامت: شیثؑ، سامؑ، اسماعیلؑ، ہارونؑ، شمعونؑ، علیؓ اور محمد بن اسماعیلؒ ہیں۔ عدد سات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ سات جنت، سات طبق زمین، سات طبق آسمان، سات سمندر، سات سیارے، سات رنگ، سات موسیقی کی آوازیں، سات معدنیات وغیرہ [۳]

امامیہ اور اسماعیلیہ کے درمیان سلسلہ امامت میں پہلے امام حضرت علیؓ سے چھٹے امام جعفر صادقؒ تک کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ساتویں امام سے دونوں مسالک جدا ہو جاتے

ہیں۔ اسماعیلیہ حضرت اسماعیل کو ساتواں امام مانتے ہیں جبکہ امامیہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو امام مانتے ہیں۔اسماعیلیوں کی ایک جماعت واقفیہ (Stopper) کا عقیدہ ہے کہ سلسلہ امامت امام اسماعیل پر ختم ہوگیا کیونکہ وہی امام سابعون ہیں۔ ان کی وفات نہیں ہوئی بلکہ عالم غیب میں ہیں اور قرب قیامت میں ظہور کریں گے لیکن اسماعیلیوں کی دوسری جماعت حضرت اسماعیل کی وفات کے قائل ہے۔جنہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے محمد بن القائم بن اسماعیل پر نص امامت کی ہے چونکہ نص امامت خفیہ ہوا تھی ، ان کا لقب امام محمد المکتوم ہوا۔ وہی سلسلہ امامت کے آخری محمد ہیں، جو بعضوں کے نزدیک ،قرب قیامت میں ظہور کریں گے۔ ۵۳

مسلک امامیہ ودیگر مسالک اسلام کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے تیسرے فرزند امام موسیٰ کاظمؑ امام ہوئے۔حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کو امام نہ ماننے کے مختلف اسباب ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کا محل نہیں ۔ اسماعیلیہ حضرت علیؑ کو اساس الامت یعنی امام سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ اور رسول اسلامؐ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں امام ہیں اور ان کے باپ ان سے بہتر ہیں۔ اس طرح ان میں امامت کا سلسلہ امام حسنؑ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے بعد امام حسینؑ ، پھر امام زین العابدینؑ ، پھر امام محمد باقرؑ ، پھر امام جعفر صادقؑ پھر امام اسماعیل پھر امام محمد بن اسماعیل ، آخر الذکر کے پیروؤں کو ابتداً مبارکیہ بھی کہا گیا، جو مبارک نامی غلام سے منسوب ہوا جس نے سب سے پہلے محمد بن اسماعیل کی امام کی حیثیت سے شناخت کی تھی۔ ۵۴

امام محمد بن اسماعیل ۔(م: ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) امام المکتوم کہے جاتے ہیں کیونکہ انہیں سے دورِ ستر شروع ہوتا ہے کیونکہ اسماعیلی عقاید کی تبلیغ واشاعت پوشیدہ طور پر ہوتی تھی۔ امام محمد المکتوم نے عقائد کی تبلیغ مدینہ سے کی لیکن عباسی خلفاء کی دارو گیر شروع ہوئی تو مدینہ سے کوفہ، وہاں سے رے گئے، پھر قلعہ نہاوند میں پناہ لی، آخر میں فرغانہ آئے اور وہیں وفات پائی

اور مدفون ہوئے۔ بعد میں خلیفہ معتز باللہ نے قبر کو مصر میں منتقل کردیا۔ڈی جورے نے الجوینی اور صاحب دستور منجمین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام محمد کے کئی بیٹے پناہ کی تلاش میں ہندوستان کی سرحد کے قریب قندھار تک گئے تھے جو ہندوستان میں اسماعیلی عقائد کا باعث ہوئے۔ یہ امام محمد المکتوم نے اپنے بیٹے امام عبد اللہ الرضی (م: ۲۱۰ھ/ ۸۲۵ء) پر نص امامت کی، عباسی خلفاء نے سادات کو قید خانوں میں محبوس کرر کھا تھا۔ ان کی بھی داروگیر شروع ہوئی۔گرفتاری سے بچتے ہوئے انھوں نے اپنے بھائی حسین بن محمد کو اپنا نائب مناب مقرر کیا اور فرغانہ سے دیلم ہجرت کر گئے۔تبلیغ واشاعت کا کام ان کے بھائیوں اور داعیوں نے جاری رکھا۔عباسی خلفاء کی داروگیری اتنی بڑھی کہ امام عبد اللہ الرضی مکمل طور پر روپوش ہوگئے حتیٰ کہ ان کے داعیوں سے رابطہ قائم نہ رہا۔ یہ عبوری دور اسماعیلیوں کے لئے انتہائی صبر آزما تھا۔ امام عبد اللہ الرضی نے ایک عاجز تاجرانہ لباس اختیار کرلیا اور سلامیہ میں پوشیدہ طور پر رہائش اختیار کی۔ وہیں ان کے دو بیٹے احمد اور ابراہیم ہوئے۔ امام عبد اللہ کی سلامیہ میں وفات ہوئی۔۸؎ انھوں نے اپنے بیٹے احمد بن عبد اللہ جو اپنے دور کے ممتاز علماء ودانشوروں میں تھے۔ انھوں نے بصرہ میں انجمن اخوان الصفاء قائم کی اور قضاوقدر وقرآن اور حدث وقدوم کے مسائل ومباحث پر رسائل ترتیب دیئے، جو رسائل اخوان الصفاء کے نام سے معروف ہیں اور اسی بناپر ان کا لقب صاحب الرسائل بھی ہے۔۹؎ انھوں نے اپنے بیٹے حسین الزکی المتقدی والہادی (م: ۲۹۶ھ/ ۹۰۹) پر نص امامت کی۔ انھوں نے رسائل اخوان الصفاء کا خلاصہ جامعۃ الجماعۃ ترتیب دیا۔ انہوں نے نجف اشرف جاکر روضۂ حضرت علیؑ کی زیارت کی۔ وہیں ان کی ملاقات ابو القاسم حسن بن فرح بن حواب سے ہوئی جو مسلک امامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور امام حسن عسکریؑ کے صحابیوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہیں علی بن فضل سے بھی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے امام حسین الزکی سے متاثر ہوکر ان کی بیعت کرلی۔ انھوں نے دونوں کو اسماعیلیہ عقائد کی ترویج واشاعت کے لئے یمن بھجوایا۔ یہ ۲۶۶ھ/ ۸۷۹ء کا واقعہ ہے۔ یمن میں

انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ چار سال کی قلیل مدت میں انھوں نے ۲۷۰ھ/ ۸۸۳ میں اعلان دعوت کردیا۔ عدن الائمہ میں قلعہ تعمیر کیا اور اپنی فوج بنا کر یمن کے شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ ۲۹۳ھ/ ۹۰۵ تک پورا یمن فتح ہوگیا۔ ابو القاسم کو منصور الایمن کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ دیگر کئی ممالک میں اسماعیلی داعی بھیجے گئے جن میں یمامہ، بحرین، سندھ ہند اور مغرب اہم ہیں۔ اسماعیلیہ عقائد کے فروغ واشاعت میں ایک انتہائی سرگرم اور ان تھک داعی ابو عبد اللہ بن محمد بن زکریا کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جو الشیعی کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ اعلان دعوت کے بعد دورستر کا خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح امام حسن الزکی، آخری امام المکتوم ہیں جن سے دور ستر کا خاتمہ ہوگیا۔ انھوں نے سلامیہ ہجرت کرکے عسکر مکرم (خوزستان) میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ان کے بیٹے عبید اللہ کی ولادت ہوئی۔ ان کی دعوت کا خاص موضوع ظہور مہدی تھا۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو مہدی بتایا اور ظہور کی تیاری شروع کی لیکن ابھی مہدی محض آٹھ برس کے تھے کہ امام حسن الزکی وفات پاگئے انھوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ پر نص امامت کے بعد وصیت کی: تم مہدی ہو! تمھیں دور دراز ملک جانا ہوگا، جہاں بڑی اذیتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اپنے والد ماجد کی وصیت کی تعمیل میں امام عبید اللہ المہدی نے اپنے بیٹے ابو القاسم، الشیعی کے بھائی ابو العباس اور دیگر پیروکاروں کے ہمراہ سلامیہ روانہ ہوئے جہاں وہ اپنے چچا محمد بن احمد سعید الخیر (جو محمد حبیب کے نام سے بھی مشہور ہیں) کی نگرانی میں قیام پذیر تھے۔ راستہ میں بنو عباس نے تیونس میں امام عبدے اللہ المہدی کو قید کرلیا۔ یہ جگہ بندرگاہ مہدیہ کے نام سے معروف ہے۔ اس کی اطلاع ابو عبید اللہ الشیعی کو ملی تو انھوں نے قیروان پر حملہ کرکے بنو عباس کو شکست دی اور امام مہدی کو قید سے نکالا۔ انھیں ایک گھوڑے پر سوار کرکے، اس کی باگ پکڑ کے چلے اور راہ میں کہتے جاتے تھے کہ میں جس کا غلام ہوں، وہ یہی آقا ہیں۔ یہ واقعہ ۳۰۰ھ/ ۹۱۲ء کا ہے۔ انھیں امام عبید اللہ المہدی نے حکومت مصر کی باگ ڈور سنبھالی یہی فاطمین مصر میں اولین

حکمراں ہوئے، جس سے دار السلطنت مصر کا آغاز ہوا۔ [۱۰]

فاطمین مصر میں دس ائمہ ہوئے۔ امام عبید اللہ المہدی (م: ۳۲۲ھ / ۹۳۴ء) امام القائم بالامر اللہ (م: ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء) امام المنصور بالامر اللہ (م: ۳۴۱ھ / ۹۵۳ء) المعز الدین اللہ (۳۶۵ھ / ۹۷۵ء) امام العزیز باللہ (م: ۳۸۶ھ / ۹۹۶) امام الحکیم امر اللہ (م: ۴۱۱ھ / ۱۰۲۱ء) امام الظاہر اعز بالامر اللہ (م: ۴۲۷ھ / ۱۰۳۶) امام المستنصر باللہ (م: ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء) امام المستعلی باللہ (م: ۱۱۰۱/۴۹۵) امام الآمر بالا حکام اللہ (م: ۵۲۴ھ / ۱۱۳۰)۔ حالانکہ فاطمین مصر کی حکومت اس کے بعد ۵۶۷ھ / ۱۱۷۱ تک قائم رہی حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حکومت کا خاتمہ کردیا۔ یہ دسوں امام بیک وقت خلیفہ اور بادشاہ تھے۔ امام المستعلی باللہ کا دور شدید انتشار و بے ربطی کا شکار رہا۔ ان کے جانشین امام الآمر بالاحکم اللہ کو شہید کردیا گیا۔ انھوں نے اپنے بیٹے ابو القاسم طیب پر نص امامت کی جو محض چار برس کے تھے۔ ان سے دوبارہ دور ستر شروع ہوتا ہے۔ یہ دلچسپ مماثلت قابل ذکر ہے ہے کہ اثنا عشری مسلک میں امام مہدی الآخر الزماں بھی چار برس کی عمر میں غیبت اختیار کرتے ہیں۔ اور اسماعیلیوں کے امام طیب بھی چار برس کی عمر میں غیبت اختیار کرتے ہیں!

اسماعیلیوں میں اولین انشعاب امام المستنصر باللہ کی نص امامت کے مسئلہ پر ہوگیا تھا۔ ان کے دو صاحبزادے تھے، النزار اور المستعلی باللہ۔ نزار بڑے اور مستعلی چھوٹے تھے۔ امام المستنصر نے اپنے چھوٹے بیٹے المستعلی پر نص کی، انھوں نے امام الآمر پر اور انھوں نے امام ابو القاسم طیب پر جن کا ذکر مذکورہ بالا سطروں میں کیا گیا ہے۔ النزاری اس سلسلۂ امامت کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک امام المستنصر نے نص امامت باقاعدہ النزاری پر کی تھی لیکن امام کی وفات کے وقت موصوف مصر میں موجود نہیں تھے۔ ان کے مصر وارد ہونے سے قبل الافضل نے اپنی وفاداری میں چھوٹے بیٹے مستعلی سے بیعت کرلی اور وہ خلیفہ ہوگئے [۱۱]

النزاری اپنے موقف پر شدت سے قائم رہے اور انھوں نے ۵۲۴ھ / ۱۱۳۰ میں امام الآمر

کوشہید کردیا۔ اس طرح فرقہ اسماعیلیہ دو ضمنی مسالک میں تقسیم ہوگیا: نزاری اور مستعلی۔ نزاری ایران میں فدائی اور ہندوستان میں خوجہ کہے جاتے ہیں۔ مستعلین کا مرکز یمن رہا۔ بعدہ یہ مرکز ہندوستان میں منتقل ہوگیا کیونکہ داعی یوسف بن سلیمان نے ۹۴۶ھ/ ۱۵۳۹ میں یمن ترک کرکے ہندوستان میں سدھ پور (ریاست بمبئی) میں سکونت اختیار کرلی۔ ان مستعلین کو ہندوستان میں بوہرہ، بمعنی تاجر کہا جاتا ہے۔ امام ابو القاسم طیب کی غیبت میں جانے کے بعد بھی مستعلین انھیں کی بیعت میں ہیں۔ اولاً یمن کی ملکہ حمزہ نے منصب دعوت سنبھالی۔ ۱۲ ان کی وفات کے بعد صہیب ابن موسیٰ (م: ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰) سے داعی داود بن عجب شاہ (م: ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء) تک ۲۶ داعی ہوئے ہیں۔ ۱۳ داود بن عجب شاہ کی وفات کے بعد نص داعی میں اختلاف ہوگیا۔ مستعلیں دوبارہ تقسیم ہوگئے۔ ایک حلقہ ان کے بعد سلیمان بن حسن کو داعی ماننے لگا اور دوسرا حلقہ داود برہان الدین کو۔ دونوں الگ الگ ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ داودی اور سلیمانی ۱۴۔ دونوں داعیوں داود اور سلیمان کی قبریں احمد آباد میں آمنے سامنے موجود ہیں!

بوہروں کا سلیمانی مسلک یمنی روایات کا پابند ہے۔ اس کا مرکز ہنوز یمن ہے۔ اس کا نمائندہ منصوب، کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ان کا صدر مقام بڑودہ ہے۔ داعی سلیمان ابن حسن اپنے دعویٰ کو قائم کرنے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ اکبر اعظم کے سامنے عذرداری کی لیکن فیصلہ ان کے حق میں نہ ہوا، داعی داود برہان الدین کو صحیح جانشین قرار دیا گیا۔ لیکن سلیمان بن حسن (م: ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۷) کو اپنا ستائیس واں برحق داعی مطلق مانتے ہیں، موجودہ داعی مطلق علی ابن حسب اڑتالیسویں داعی مطلق ہیں جن کو سلیمانی بوہروں میں مرکزیت حاصل ہے۔ داودی مسلک کے ستائیس ویں داعی برحق داود بن ابراہیم (م: ۱۰۲۱ھ/ ۱۶۱۲) تھے۔ موجودہ داعی سیدنا برہان الدین باون ویں داعی ہیں ۱۵ ان کا قیام سورت (بمبئی) میں ہے۔ جو ڈیوڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا ایک مدرسہ بھی ہے، جو درس سیفی کہا جاتا ہے،

جو اکاون ویں داعی سیدنا طاہر سیف الدین سے منسوب ہے۔ داودی اسماعیلیوں کی زیادہ تر آبادی گجرات ، مالوہ اور دکن میں ہے۔ ان میں ایک ضمنی مسلک جعفریوں کی ہے، جو جعفر شیرازی سے منسوب ہے جنہوں نے ستائیس ویں داعی داود بن ابراہیم کی ماتحتی ترک کر کے اپنی الگ جماعت بنائی تھی۔ جعفری بوہرہ عموماً سنی العقیدہ ہوتے ہیں۔ اسماعیلیہ بوہروں کے دونوں مسالک سلیمانی اور داوودی کے نزدیک ائمہ کی تعداد (۲۱) اکیس ہے۔ حضرت علی سے امام جعفر صادق تک چھ امام اسماعیل سے امام حسین الزکی تک چار فاطمیین مصر دس اور امام ابو القاسم طیب ہیں۔ اسماعیلی بوہرہ انھیں سابعون میں تقسیم کرتے ہیں اول سابعون امام اسماعیل تک جنھیں "ائمہ" کہتے ہیں، دوئم سابعون امام المعز لدین تک جنھیں خلفاء، کہتے ہیں اور سوئم وآخری سابعون امام ابو القاسم تک جنھیں 'عہد' کہتے ہیں۔ اسماعیلی بوہرہ عقائد میں ہر ایک مومن کیلئے بیعت امام لازمی ہے۔ تقریب بیعت کو 'میثاق' کہتے ہیں۔

نزاری اسماعیلیوں کے ائمہ ابتداً شدید شداید کا شکار ہوئے۔ امامت نزار بھائی المستعلی کی امام قبول کرنے کی بناپر گرفتار کر لئے گئے اور اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ قید میں ڈال دئے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی قید خانہ میں وفات ہوگئی۔ صحیح تاریخ کا علم نہیں غالباً ۵۵۷ - ۴۸۷ کے درمیان قید میں رہے۔ حسن بن صباح جنہیں مسلک نزاری میں باب کا درجہ حاصل ہے اور جنہوں نے مسلک باطنیہ کی بنیاد قائم کی، اپنے بعض عقائد کی بنا پر انتہائی متنازع ہیں، اس کا ذکر مسلک باطنیہ کے ضمن میں ہوگا، یہاں اتنا ذکر کردینا ضروری ہے کہ وہ امام نزار کے انتہائی طرفداروں میں تھے۔ انھوں نے مستعلین سے کسی طرح کا رشتہ نہیں رکھا۔ نزاری عقاید کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی کوشش کی۔ امام نزار نے اپنے بیٹے ہادی کو حسن بن صباح کے سپرد کردیا۔ انھوں نے انتہائی امانت داری سے انھیں اپنے قلعہ الموت میں رکھا قلعہ الموت کے دیگر حکمران بھی نزار کے طرفدار رہے۔ نزار کے صاحبزادے جوان ہوئے تو ان کی شادی کردی۔ ان کے بیٹا ہوا تو والی الموت محمد بن کیا بزرگ امید نے اپنے بیٹے سے بدل دیا

تا کہ امام نزار کے پوتے کو جان کا خطرہ نہ ہو۔ یہی بعد میں امام حسن علا ذکرہ سلام کے نام سے معروف ہوئے۔ اس طرح نزاری ائمہ میں دوسرا دور ستر امام نزار امام حسن علا ذکرہ سلام پر تمام ہوتا ہے۔ نزاری آثار زیادہ تر الموت میں ہلاکو خان کے حملہ (۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء) کے بعد جلادیے گئے البتہ روایتوں کے اعتبار سے امام نزار کے بعد ان کے بیٹے مہدی یا مہتدی امام ہوئے، ان کے بعد امام قاہر ہوئے۔ یہ تمام ائمہ مستور ہیں۔ ان کے بعد امام حسن علا ذکرہ (م: ۵۶۱ھ / ۱۱۶۱) ان کے بعد ان کے فرزند امام محمد بن حسن (م: ۶۰۷ھ / ۱۲۱۱) ان کے بعد ان کے فرزند امام علادین محمد (م: ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷) ان کے بعد امام رکن الدین خرشام (م: ۶۴۵ھ / ۱۲۵۶) ہوئے وہی سلسلہ الموت کے آخری امام تھے، نزاری روایات کے مطابق امام خرشاہ نے الموت پر منڈراتے خطروں کے پیش نظر اپنے سات سالہ بیٹے شمس الدین محمد کو اپنے چچا کے پاس آذر بائیجان کے پاس بھیج دیا تھا۔ انھوں نے زردوز کی زندگی بسر کی اور پوشیدہ رکھنے کی غرض سے محمد زردوز معروف رہے۔ امام شمس الدین محمد شاہ نزاری اسماعیلیوں کے ۸۲ ویں امام تھے۔ ان کے بعد دیگر ایرانی ائمہ نزاری میں امام ابو الحسن علی شاہ (م: ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲) کے درمیان پندرہ ائمہ ہوئے۔

امام ابو الحسن علی شاہ اولوالعزم شخصیت کے حامل تھے۔ انھیں کی نسبت سے اسماعیلیہ نزاری کو آغا خان کہتے ہیں۔ موصوف قم (ایران) کے باشندہ تھے اور دور محمد کریم خان قاچار (م: ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰) میں کرمان کے حاکم تھے، حکومت سے برطرفی کے بعد شہر طلات (ایران) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انھوں نے اپنے فرزند خلیل اللہ پر نص امامت کی، جو ان کو امام خلیل اللہ سوم (۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶) بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے شہر یزد (ایران) کو تبلیغ واشاعت کا مرکز بنایا لیکن دو سال کی مدت میں ہی ان میں اور فرقہ اثنا عشری میں شدید اختلاف ہوگیا جس میں ان کی جان بھی گئی۔ انھوں نے اپنے بیٹے حسن علی شاہ کو امامت تفویض کی۔ سلطان فتح علی شاہ قاچار (م: ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹) کو واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے امام

حسن علی شاہ (م: ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء) کو دلجوئی کے لئے تہران بلایا، اپنی بیٹی سرورجہاں سے عقد کردیا اورقم اور محلات کا حاکم مقرر کردیا مزید یہ کہ آغا خان کا لقب عطا کیا۔ لیکن امام حسن علی شاہ کو شاہی عنایات راس نہ آئیں۔ انھوں نے محلات چھوڑا اور کرمان چلے گئے۔ پھر لار، اسفندق، جیرفت اور بیناب کے علاقوں میں سامان جنگ فراہم کرتے رہے، آخر تھک ہار کر قندھار چلے گئے۔ وہاں برطانوی حمایت حاصل ہوگئی اور سوروپے یومیہ وظیفہ بھی ملنے لگا۔ ماہ صفر (۱۲۶۲ھ/ مارچ ۱۸۴۶ء) جس کی مرضی سے اپنے بھائی اور ساتھیوں سمیت سندھ (ہندوستان) وہاں سے بمبئی آئے۔ کچھ عرصہ شہر کلکتہ میں بھی رہے لیکن وہاں مختصر قیام کے بعد بمبئی واپس آگئے اور بمبئی کو اپنا مرکز بنالیا۔ وہیں وفات ہوئی اور حسن آباد بمبئی کا قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انھیں آغا خان اول کہا جاتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند آغا علی شاہ آغا خان نزاریوں کے امام ہوئے۔ امام آغا علی شاہ (م: ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء) کو امامت کے لئے فقط چار برسوں کا موقع ملا۔ ان کو نجف اشرف لے جاکر سپرد خاک کیا گیا۔ ان کے صاحبزادے سلطان محمد شاہ ملقب بہ آغا خان سوم آٹھ برس کی عمر میں امامت پر فائز ہوئے۔ انھیں حکومت برطانیہ سے 'سر' کا خطاب حاصل تھا۔ سات برسوں تک مسلم لیگ کے صدر رہے۔ دولت مشترکہ کے بھی صدر رہے۔ انھیں ایرانی شہریت بھی حاصل تھی۔ شاہ ایران کی جانب سے حضرت والا کا لقب بھی۔ آغا خان سوم نے ۸۰ (اسی) سال کی عمر میں جنیوا میں انتقال کیا۔ اور مصر کے شہر اسوان کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔ ان کی وفات کی وصیت کے مطابق ان کے پوتے اور علی خان کے بیٹے پرنس کریم خان (ولادت: ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) اکیس سال کی عمر میں امام قرار پائے۔ آغا خان چہارم کی ولادت جنیوا میں ہوئی تھی۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ انھیں امامت سپرد کرنے کی رسم مشرقی افریقہ کے ملک تنزانیہ کے پایۂ تخت دار السلام میں انجام پائی۔ موصوف ہی نزاری اسماعیلیوں کے امام العصر الزماں ہیں۔

اسماعیلیوں میں تبلیغ واشاعت کے لئے ضابطہ مقرر ہے اس کے تین مدارج ہیں اولاً

مکاسر، ثانیاً، ماذون اور ثالثاً داعی! مکاسر کا دیگر مذاہب یا مسالک سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ان کا اپنے عقاید سے تقابل پیش کر کے قائل کرنا ہے لیکن خود براہ راست جواب نہیں دیتا، بلکہ ماذون کی جانب رجوع کر دیتا ہے، جو دلائل و براہین اور مختلف مذاہب و مسالک کے تقابلی مطالعہ سے ثابت کرتا ہے کہ اسماعیلی عقیدہ کو برتری حاصل ہے۔ اس سے سائل کے ذہن میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، وہ ماذون سے رہبری کی درخواست کرتا ہے۔ ماذون اسے داعی کی طرف رجوع کرا دیتا ہے، جو اسے راہ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اسماعیلی عقائد کی دعوت کے یہی تین زینے ہنوز باقی ہیں۔ اسماعیلیوں میں تربیت کے نو مدارج ہیں۔ پہلے درجہ میں شک وشبہات اور ان کو دور کرنے کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ اس درجہ میں بعض معمولی اصول بھی بتادیے جاتے ہیں دوسرے درجہ میں عقیدہ امامت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تیسرے درجہ میں بعض اہم اسماعیلی عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جن میں سات کی عدد اور اس سے متعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔ چوتھے درجہ میں سات اولین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پانچویں درجہ میں عدد بارہ پر زور دیا جاتا ہے کہ حجت صامت نے بارہ داعی مقرر کیے۔ اسی درجہ میں داعی اور شیخ کی اطاعت کا درس ملتا ہے۔ چھٹے درجہ میں احکام شرعی کی عقلی اور فلسفیانہ اساس سے واقف کیا جاتا ہے۔ ساتویں درجہ میں خاص طور پر علم جفر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آٹھویں درجہ میں انسانی جسم، حرکات و افعال اور روح کے باہمی تعلق سے روشناس کیا جاتا ہے۔ نواں درجہ عارفین کی منزل ہے۔

اہل تشیع میں اسماعیلیہ مسالک ہنوز معنویت کے حامل ہیں، جن کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان کی تبلیغ و اشاعت کا ادارہ بھی مستحکم اور باعمل ہے۔ اثنا عشری مسلک کے مقابلہ میں اسماعیلیہ زیادہ فعال اور الوالعزم رہے ہیں۔ انھوں نے بنو امیہ اور بنو عباس کے شداید کا مضبوطی سے مقابلہ کیا اور شیعی عقاید کی ترویج میں موثر کردار ادا کیا۔ اس کشمکش اور عمل ورد عمل میں ان کے درمیان نئے مسالک ابھرے، مثلاً قرامطہ، باطنیہ وغیرہ۔ چونکہ انھوں نے بعد میں الگ فرقہ یا مسلک کی حیثیت حاصل کر لی، اس

لئے ان کا الگ سے ذکر کیا جائے گا۔

زیدیہ:

مسلک کا سلسلہ حضرت زید بن علی (م: ۱۲۲ھ/ ۷۴۰ء) سے شروع ہوا، جو چوتھے امام علی بن الحسین معروف بہ زین العابدین (م: ۹۵ھ/ ۷۱۳ء) صاحبزادے اور امام محمد باقر (م: ۱۱۵ھ/ ۷۳۳ء) کے بھائی تھے۔ انھوں نے اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک (م: ۱۲۶ھ ۷۴۳ء) کے خلاف خروج کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید اپنے زمانہ کے نادر روزگار عالم، فقیہ اور متقی تھے۔ امام ابو حنیفہ کے استاد تھے اور اس خروج میں ان کا تعاون تھا۔ لیکن امام محمد باقرؒ کسی سیاسی خروج کے حق میں نہ تھے۔ اس لئے زید شہید سے اہل تشیع میں انشعاب ہوگیا۔ اہل تشیع امام زین العابدین کی وفات کے بعد دو مسالک میں تقسیم ہوگئے۔ ایک جو امام زین العابدین کی نص امامت کے مطابق امام محمد باقرؒ کو امام عصر والزماں مانتے تھے۔ دوسرے، جو حکومت جور کے خلاف خروج کرنے کی بنا پر حضرت زید (م:۱۲۶ھ/ ۷۴۴ء) کے معتقد ہوگئے تھے۔ انھوں نے حضرت زید سے امامت کا نیا سلسلہ شروع کردیا۔ حضرت زید کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زید پھر محمد نفس زکیہ پھر ابراہیم بن عبید اللہ المحضار اور پھر ادریس بن عبد اللہ بن حسن ثانی، جنہوں نے مغرب اقصیٰ (Mauritania) میں ادریسی سلطنت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی، جو تقریبا دو سو سال کے عرصہ (۹۸۵ھ-۷۲۶ھ/ ۷۸۹ء) تک قائم رہی۔ زوال حکومت کے بعد ادریسیوں میں انتشار آگیا لیکن اس مسلک کے پیرو ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں نظر آتے ہیں۔ زیدیوں کی ایک شاخ طبرستان میں عرصہ دراز تک حکمراں رہی۔ شمالی یمن میں زیدیہ امام ہنوز موجود ہیں۔ بعد میں زیدیہ مسلک چار شاخوں میں تقسیم ہوگیا۔ جوریہ، سلیمانیہ، طبریہ اور صالحیہ۔ یہ شاخیں نص امامت میں اختلاف کی بنا پر وجود میں آئیں۔

مسلک زیدیہ کو اہل تشیع میں شمار کرنے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں امامت کا

سلسلہ امام زین العابدینؒ تک دیگر اہل تشیع سے مماثل ہے اور ان کی امامت بھی اہل بیت میں ہے۔ ورنہ عقائد و افکار کے معیار پر مسلک زیدیہ اہل تشیع سے یکسر مختلف عقاید کے حامل ہیں بلکہ اہل تشیع کے مقابلہ میں ان کے عقاید وافکار اہل تسنن سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ اہل تشیع اور اہل تسنن کے درمیان کلیدی وما بہ الامتیاز عقیدہ نص امامت کا مسئلہ ہے۔ اہل تشیع امامت کو رسالت کی طرح منصوص من اللہ مانتے ہیں، جبکہ اہل تسنن امامت (خلافت) کو جمہور کے فیصلہ کا پابند قرار دیتے ہیں۔ زیدیہ بھی امامت کو جمہور کے فیصلہ کا پابند مانتے ہیں البتہ اہل تسنن سے اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ اہل تسنن خلیفہ کے لئے قریشی ہونا کافی سمجھتے ہیں جبکہ زیدیہ امام کے لئے بنی فاطمہ کی شرط عاید کرتے ہیں۔ دونوں کے عقاید میں امام کا أفضل ہونا لازمی شرط نہیں ہے، بلکہ کوئی مفضول شخص أفضل کی موجودگی میں امام ہوسکتا ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت علی کو دیگر خلفائے راشدین سے أفضل ماننے کے باوجود باقی تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور اسی دلیل کے مطابق امام محمد باقرؒ کی فضیلت قبول کرتے ہوئے حضرت زید شہید کو امام مانتے ہیں۔ زیدیوں کا عقیدہ ہے کہ حالانکہ امام علی ابن ابی طالبؑ صحابہ کرام میں أفضل ترین تھے، لیکن بعد رسول عرب قبائل کی کشمکش پر قابو پانے کے لئے ایک سن رسیدہ صحابی کی ضرورت تھی، جو اپنی شخصیت کے وقار سے اختلاف سے اختلافات پر قابو رکھتے ہوئے مفاد اسلامی کا تحفظ کرسکے۔ اسی دلیل سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافتوں کو حق قرار دیتے تھے البتہ حضرت عثمان کی بنی امیہ نوازی کی بنا پر سکوت کرتے تھے۔ ان کے نزدیک امامت کے لئے زور بازو کے ذریعہ تسلط حاصل کرنا لازمی شرط ہے، جو دیگر تمام شرائط کو موخر کردیتی ہے۔ فقہ کا معاملہ میں بھی زیدیہ فقہ جعفری کی بجائے فقہ حنفی کے پابند ہوئے۔ اس کا سبب بھی سیاسی ہے کیونکہ امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ نے زید خروج کی تائید کرنے سے انکار کیا، امام حنیفہ نے خروج کی حمایت کی۔ اس طرح زیدیہ کے اہل تشیع کی بجائے اہل تسنن میں شامل ہوجانے کی بنا پر ان کو روافض کہا گیا۔ رافضی کی

جمع معنی Party of Deserters ہے۔ اس پس منظر سے ناواقف ہو آتمام اہل تشیع کو رافضی کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ طنزیہ لقب زیدیوں کیلئے مخصوص ہے، جنہوں نے اہل تشیع کو چھوڑ کر اہل تسنن کا ساتھ اختیار کیا۔ دوسرا خیال ہے کہ یہ کوفیوں کے لئے مخصوص ہے، جنہوں نے حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔۱۸

ھاشمیہ یا کیسانیہ:

یہ مسلک اس طرح وجود میں آیا کہ سید الشہداء امام حسینؑ (م:۶۱ھ ۶۸۰ء) نے مدینہ منورہ سے ہجرت کے وقت اپنے برادر صلبی حضرت محمد حنفیہ کو اپنا نائب مناب مقرر کیا تھا۔ محمد حنفیہ حضرت علیؑ کی دوسری بیوی خولہ کے بطن سے تھے، جو قبیلہ حنفیہ سے متعلق تھیں۔ اسی بنا پر محمد کا لقب حنفیہ ہوگیا۔ ابن خلقان کا بیان ہے کہ خولہ اصلاً قبیلہ حنیفہ سے نہ تھیں، بلکہ ایک سیاہ فام سندھی خاتون تھیں جو بنی حنیفہ میں سے کسی شخص کی ملازمہ تھیں۔ اپنے ننھیالی نسب سے قطع نظر حضرت محمد حنفیہ جلیل القدر شخصیت کے حامل تھے۔ اس لیے واقعہ شہادت کے بعد شیعان اہلبیت نے ان کو امام تسلیم کرلیا لیکن امام علی ابن الحسینؑ قید سے رہائی کے بعد مدینہ واپس آئے تو حضرت محمد حنفیہ نے اس حقیقت کی تحقیق کے بعد کہ امام حسینؑ نے امام علیؑ ابن الحسین پر نص امامت کی تھی، اپنے حق سے دست برداری اختیار کرلی، امام علیؑ ابن الحسینؑ کی بیعت کرلی اور پھر کبھی دعوئی امامت نہیں کیا، لیکن انکی وفات کے بعد بعض معتقدین نے ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کو پانچواں امام مان لیا۔۱۹ انھیں کی نسبت سے یہ مسلک ہاشمیہ کہلایا اور چونکہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کے آزاد کردہ غلام کیسان پیش پیش تھے، جن کی کوششوں سے مہم سر ہوئی تھی، اس بنا پر اس مسلک کو کیسانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابو ہاشم عبد اللہ کو ۷۱۵ عیسوی میں اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے زہر دے کر ہلاک کردیا۔ چونکہ ان کے اولاد نرینہ نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اپنی وفات سے قبل محمد بن عبد اللہ بن عباس پر نص امامت کردی۔ انھیں محمد کے والد حضرت عبد اللہ بن عباس تھے جو رسول اکرمؐ کے چچا حضرت

عباس بن عبد المطلب کے فرزند تھے اور علم وفضل اور زہد و تقویٰ کی بنا پر ممتاز تھے۔ انہیں حضرت علیؓ کا شاگرد رشید ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان سے لاتعداد حدیثیں مروی ہیں۔ یہ خاندانی پس منظر امام محمد بن عبد اللہ کے لئے زبردست معاون ثابت ہوا۔ موصوف خود بھی بڑے مدبر اور زمانہ شناس تھے۔ انھوں نے اپنے پیروؤں اور ہمدردوں میں اضافہ کیا اور شہر کوفہ (عراق) کو اپنی تبلیغ واشاعت کا مرکز بنایا، جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا اور جہاں شیعان علیؓ اکثریت میں آباد تھے۔ ۱۱۵ھ/ ۷۳۳ء میں امام محمد بن عبد اللہ بن عباس کا انتقال ہوگیا ان کے تین بیٹے تھے ابراہیم عبد اللہ اور جعفر، ابراہیم امام ہوئے اور سرگرمی سے اپنے باپ کے ادھورے مشن کو پورا کرنے میں لگ گئے لیکن انھیں اموی خلیفہ مروان ثانی (م: ۷۴۹ء) نے قتل کرادیا۔ اس کے بعد جانشینی دوسرے بھائی عبد اللہ کو ملی، جنہوں نے ۷۴۹ عیسوی میں نہر زاب پر ابو مسلم خراسانی کی امداد سے جنگ کر کے بنو امیہ کا خاتمہ کردیا اور دولت عباسیہ کے اولین خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح کے نام ۷۵۰ء سے عظیم الشان حکمرانی کا دور شروع کیا، جو تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہا۔

بلاشبہ مسلک ہاشمیہ کی ابتداء بعض شیعان علیؓ نے کی تھی جنہوں نے خون حسینؓ کے انتقام کے نام پر مسلمانوں کے جذبات بنی امیہ کے خلاف برانگیختہ کیے، جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور ایک مستحکم حکومت تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی، لیکن حکومت پر قبضہ ہونے کے بعد انہوں نے شیعان اہل بیت کو چن چن کر قتل کیا، ان پر ہر طرح کے شدائد و مظالم کئے حتیٰ کہ ائمہ اہل بیت میں چھ اماموں (امام جعفر صادقؒ، امام محمد باقرؒ، امام موسیٰ کاظمؒ، امام علیؒ رضا، امام محمد تقیؒ، امام نقیؒ اور امام عسکریؒ) کو قید خانوں میں رکھا اور زہر دغا سے شہید کیا اور بارہویں امام الہدیٰؒ کی غیبت کا سبب بنے۔ دشمنی اہل بیت میں ان ہاشمی شیعوں کا پلہ بنی امیہ سے کہیں بڑھ کر رہا۔ قیام خلافت کے بعد مسلک ہاشمیہ اپنے کردار وعمل میں کسی طرح فرقہ اہل تشیع میں نہیں رہا بلکہ ان کو مٹا دینے کے درپے رہا۔ اس کے زیر اثر اہل عراق جو اپنی

شیعیت میں مصروف تھے، عباسی حکومت میں شیعیت سے بے نیاز ہوگئے۔ کوفی فقہاء میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری (م: ۱۶۲ھ/ ۷۷۸ء) جو ابتداً شیعی رجحان کے حامل تھے، عباسی دورحکومت میں متبادل فقہی دبستانوں کے بانی ہوئے۔ حجاز عباسیوں سے قبل اہل بیت کا مرکز تھا، شدید بحران کا شکار ہوا۔ عباسیوں نے زیدیوں کو بھی اپنے ساتھ سمیٹا اور رفتہ رفتہ دونوں اہل تسنن کے سواداعظم میں شامل ہوگئے۔

غلاۃ:

غلاۃ کے لغوی معنی اہل مبالغہ ہوتے ہیں۔ ۲۰؎ اصطلاحاً اہل تشیع کے ایک مسلک کا نام پڑ گیا جس کو حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ سے متعلق اپنے عقیدوں میں انتہا پسند کہا گیا۔ چونکہ مسلک اسماعیلیہ کی بعض شاخوں مثلاً قرامطہ، باطنیہ وغیرہ پر مسلح انتہا پسندی کا الزام تھا، غلاۃ اپنے عقاید میں انتہا پسند تھے، اس لئے ان کو مسلک اسماعیلیہ کے خانے میں ڈال دیا گیا۔ حالانکہ حقیقی صورت حال مختلف تھی۔ غلاۃ کے انتہا پسندانہ عقاید کا سراغ اسلام سے باہر ملتا ہے، جو عیسائیوں کے بدعتی فرقہ فلاسفہ (Gnosties) سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ غلاۃ کا اسلام بڑی حد تک حضرت علیؓ اور کسی حد تک حضرت محمدؐ کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں دیکھنے پر مبنی ہے۔ ۲۱؎ اس نے بعد کے ادوار اور علاقائی نسلی اور تنظیمی ادارہ کی حیثیت حاصل کرلی۔ غلاۃ دوسری صدی عیسوی میں روم و یونان میں مذہبی فلسفہ قرار پاچکا تھا، جس کے ابتدائی سراغ ایرانی ثنویت میں تلاش کیے گئے ہیں۔ بعض تجزیوں میں اس کو مصری حوربی اور بابلی تہذیبوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ۲۲؎

'غلاۃ' کا عقیدہ کا نورصوفیہ کے تصورحقیقت نور سے ہم آہنگ ہے، جس کو فلسفہ الاشراق کہا جاتا ہے۔ اس تصور میں اساسی نکتہ قرآن مجید کی معروف آیات: اللہ نور السمٰوٰت والارض (اللہ آسمانوں اورزمین کا نور ہے: النور ۲۴/ ۳۵) اور ومن لم یجعل اللہ له نورا فما له من نورا (اورجس کے لئے خدا نور نہ قرار دے، اس کے لئے نورنہیں

ہے۔: النور ۲۴/۳۵) میں مضمر ہے۔ غلاۃ ان آیات کو معروف حدیث نور انا وعلی من نور واحد (خدا وند عالم نے ہم کو اور علی کو ایک ہی نور سے پیدا کیا: مودۃ القربیٰ ص ۱۷) کی روشنی میں افراط وتفریط سے تاویل کرتے، جو اہل تشیع کے مسلمہ عقاید سے ہم آہنگ نہ تھا۔ حتیٰ کہ غلاۃ کی ایک شاخ نصیری حضرت علی کو خدا قرار دیتی ہے۔ جب علی کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ (ید اللہ) زبان اللہ کی زبان (لسان اللہ) آنکھ اللہ کی آنکھ (عین اللہ) ان کا نفس اللہ کا نفس (نفس اللہ) وغیرہ ہیں، قسیم النار والجنہ (دوزخ وجنت تقسیم کرنے والا)، مظہر العجائب (عجائب کے مظہر) اور سب سے بڑھ کر علی نام الاعلیٰ سے ماخوذ ہے۔ پھر ان کے اللہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، اس مسلک کا بانی محمد بن نصیر فہری نمیری تھا، جو امام حسن عسکریؑ کے زمانہ (۲۳۲۔۱۵۷ھ/ ۸۴۶۔۷۷۳ء) میں تھا۔ قدیم میں اس ملک کو نصیری یا نمیری کہتے تھے، اب انہیں علوی کہتے ہیں۔ اس مسلک کو حسین ابن ہمدان الخاسبی (۳۵۸ھ یا ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء، یا ۹۶۹ء) نے خصوصی مقبولیت عطا کی۔ آل بویہ کی سیفی حکمرانی ختم ہونے کے بعد صدیوں تک صلیبی جنگوں، مملوکوں اور عثمانیوں کے ہاتھوں دارورسن سے گذرتے رہتے لیکن اس مسلک کے افراد فنا نہ کیے جاسکے، عصر حاضر میں انہیں شام میں صدر حافظ الاسعد کی رہنمائی میں سیاسی استقامت حاصل ہوئی۔ ان کی لاکھوں کی آبادی شام میں لتاحیہ اور ترکی میں انتوکیہ کے علاقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ متحرک وفعال ہے۔

غلاۃ کا سلسلہ دور امام محمد باقرؑ (۱۱۵۔۸۵ھ/ ۷۳۳۔۷۶۷ء) سے ملتا ہے، جن میں مغیریہ، منصوریہ اور خطابیہ زیادہ مشہور ہیں۔ مسلک مغیریہ کا بانی مغیرہ ابن سعید البجلی (م: ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء) عقیدہ نور پر تھا۔ اس نے امام محمد باقرؑ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا۔ اس کا ہم نوا بیان ابن صمعان تھا۔ مغیرہ کی موت کے بعد اس کے پیرو نفس زکیہ کے زیدیہ مسلک میں چلے گئے۔ منصوریہ کا بانی ابو المنصور العجلی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ کو خلق کیا۔ ان کے بعد حضرت علیؑ کو خلق کیا۔ یعنی حضرت علیؑ حضرت عیسیٰؑ کے

بعد بہترین نفوس میں ہیں۔ اس کے بعد رہنمائی اس کے بیٹے حسین نے سنبھالی۔ اس کے بعد یہ لوگ بھی مسلک زیدیہ سے منسلک ہوگئے۔ غلاۃ کا ایک اہم ترین مسلک الخطابیہ ہے، جس کے بانی ابو الخطاب محمد بن ابو زینب الاسدی الجدہ (م: ۷۵۵ء) ہیں۔ ان کے پیرو مانتے ہیں کہ ان کی وفات نہیں ہوئی بلکہ عالم غیب میں ہیں۔ حالانکہ اسے کافر قرار دے کر اس کے ستر پیروؤں کے ہمراہ کوفہ میں ۱۳۸ھ میں قتل کیا گیا تھا۔۲۳ ان سے کئی شاخیں ابھریں۔ بازغیہ، معموریہ، جلالیہ، غربیہ وغیرہ ابو الخطاب کے بیٹے میمون القداح کو اسماعیلی عقائد کے مرتب کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل ہے۔ ان غلاۃ کے غیاب(Occultation)تفویض (Delegation)بداء(Alteration)رجاء(Retum)حلول(Descent of the Sprit of God into man)اور تناسخ (Transmigration of Souls) کی ایسی ایسی تاویلات پیش کیں، جو اہل تشیع کے کسی مسلک کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتیں،

غلاۃ کے نزدیک محمدؐ علیؓ فاطمہ حسنؓ اور حسینؓ جن کو اہل تشیع پنجتن کہتے ہیں، مشترکہ طور پر منصب الٰہیت پر فائز ہیں۔ ان میں کسی کو موت نہیں آسکتی بلکہ انھوں نے پردہ غیب اختیار کیا۔ غلاۃ کے بیشتر مسالک معدوم ہوچکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے:

۱۔ابن الاثیر ۔ ج ص ۲۲

۲۔طبری ج ۲ ص ۱۱۷۷

۳۔ Lewis, Barnald: orogin of islamailsm PP 38-40 Cambridge-1940

۴۔زاہد علی: تاریخ فاطمیین مصر ص ۹ (حیدر آباد)

۵۔ **Kalami Pir: A Treatise on Ismail Doctorine pp 17-18 Bbombay 1935**

۶۔نوبختی: فراق الشیعہ ص ۵۸-۵۷

۷۔ De Goeje, M.J: Memories pp 63 (Leiden 1886)

۸۔ **Syed Ameer Ali: History of Asracesp. 592 (New Delhi 1998)**

۹۔ O'Leary de Lasy : Fatimid Khalifate IV pp 51.153(London 1923)

۱۰۔ Fyzea, Asaf AA, A Chronological List of Lamams and Dairs of Mustalian Ismailis pp 8.16(1934)

۱۱۔ Husain Al Hamadani: A Compendium of Ismaili Esoterics pp 21020(1937)

۱۲۔ خلافت و ملوکیت ص ۲۵۔۲۴۶

۱۳۔ الفرائد الدریہ ص ۲۶۲

۱۴۔ Syed Ameer Ali: A Short History of the Saraeans p 156 (new Delhi 1998

۱۵۔ ابن خلقان: (tr.De Slane) ص ۵۷۴

۱۶۔ الفرائد الدریہ ص ۵۲۳

۱۷۔ The Spirit of Islam p 343

۱۸۔ Birtannica Micropaedia Vol. V p 315(1973)

۱۹۔ John Norman Hollister The Shia;s of India p,202 (New Delhi,1979)

۲۰۔ تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۸

۲۱۔ The Spirit of Islam p 314

۲۲۔ تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۸

۲۳۔ The Spirit of Islam P 314

☆☆☆☆☆☆

تعزیہ وگریہ اور مسئلہ بدعت

سید زائر حسین کاظمی، لکھنؤ

گذشتہ سال کے عشرۂ محرم کے موقع پر پرانے لکھنؤ کی چند مسجدوں کے دروازوں پر کچھ شرپسندوں نے پوسٹر چپکا رکھے تھے کہ تعزیہ داری، گریہ، مجلس، ماتم بدعت، شرک اور حرام ہے۔ کچھ اخبارات اور میگزین بھی اس کی حمایت کرتے ہوئے لکھ دیتے ہیں کہ مغربی بنگال کی جماعت اسلامی کے ایک معزز رکن نے ایک اچھا مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "آؤ پھر ایک کربلا تازہ کریں" یہ مضمون اخبار مشرق کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔ چودہ سال گزرنے کے بعد آج بھی تعزیہ داری، ماتم، گریہ تابوت اور ذوالجناح کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ رسمیں صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں منائی جاتی ہے۔ امریکہ اور یوروپی ممالک میں بھی یہ رسمیں منائی جاتی ہیں۔

لغوی اعتبار سے بدعت کے کیا معنی ہیں سب سے پہلے ہم کو اس پر نظر ڈالنی چاہئے۔ "جامع اللغات اردو" میں، جس کو دیوبند کے مولوی محمد رفیع نے ترتیب دیا ہے، بدعت کے معنی نئی بات، نئی رسم" لکھا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ نئی بات یا نئی رسم جو آنحضرت کے زمانے میں نہ تھی۔ اس معنی کی روشنی میں ہر وہ چیز جو آنحضرت کے دور میں نہ تھی اور وہ آج رائج ہے تو وہ بدعت ہے۔ ٹیلیفون، ریڈیو، موبائل، ہوائی جہاز، گھڑیاں۔ توانائی مشین، صحت عامہ کے جدید وسائل وغیرہ آنحضرت کے زمانہ میں نہیں تھے اور آج کے دور میں یہ ضروریات زندگی بن چکی ہیں۔ کیا مسلمان بدعت کہہ کر ان چیزوں کا استعمال ترک کرسکتا ہے پاسپورٹ پر تصویروں کا چپکانا اگر بدعت ہے تو علمائے دین اس سلسلے کو ختم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ پاسپورٹ پر تصویر نہ ہونے سے پاسپورٹ اور ویزا جاری نہ ہوسکے گا اور مسلمان نہ تو حج پر جاسکے گا نہ دیگر مسلم یا غیر مسلم ممالک کا دورہ بھی نہ کرسکے گا ہر مسلمان اپنے ملک کے

کنویں کا مینڈک بن کر رہ جائے گا ساری دنیا سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔

اب رہی رسم، تو اسی لغت میں رسم کے معنی لکھے ہیں۔ نقش ونشان، قانون، ریت، رواج'' حضور کے زمانے میں دار العلوم، یونیورسٹیاں لائبریریاں، سائنسی تجربہ گاہیں، اخبارات، تنظیمیں وانجمنیں، سیاسی پارٹیاں، ٹریفک اور جہاز رانی کے قوانین، دیگر دیوانی قوانین، پولیس، پارلیمنٹ، قانون ساز اسمبلیاں یہاں تک کہ پاسپورٹ وغیرہ کا بھی رواج نہ تھا۔ قومی ترانوں کی ریت نہ تھی۔ قومی جھنڈوں کا رواج نہ تھا۔ (البتہ طبل جنگ کا رواج تھا جس کی نقل اکھاڑوں میں اور جلوسہائے عزا میں ہوتی ہے۔) تو کیا ان نئی باتوں کے ساتھ ساتھ ہم لوگ ان نئے نقوش نشانات، قوانین، ریت، رواج سب ترک کر دیں اس لئے کہ آنحضرت کے زمانہ میں یہ سب نہ تھا، نہ استعمال کیا گیا نہ اختیار کیا گیا؟

ان ہی دشواریوں کے حل کے لئے مفتیان دین اور مجتہدین العصر کی ضرورت ہے۔ اہل سنت کے مفتیان دین اور شیعوں کے مجتہد العصر کا اس مسئلہ بدعت پر ایک ہی فیصلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات یا رسم حضورؐ نے صریحاً منع کر دی اس کا کرنا ناجائز بلکہ حرام ہے۔ باقی ہر بات اور ہر رسم جو احکام قرآنی میں بھی ممنوع نہیں ہے مباح ہے جائز ہے اور اختیار کی جاسکتی ہے بدعتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیہ۔ اس معاملہ میں لکیر کا فقیر ہونے کی ضرورت نہیں، بدعت حسنہ مستحسن ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ تعزیہ داری شریعت میں بدعت ہے، تو کس شریعت کی بات کی جاتی ہے؟ اب تو ملت میں کئی شریعتیں رائج ہیں۔ اور ہر مسلمان جس مسلک کا پابند ہے اسی کو صحیح شریعت اسلامی سمجھتا ہے۔ بدعت کے شرعی معانی کے لئے اطلاق سمجھنے کے لئے پہلے یہ طے کرنا ہے کہ شرع اسلامی کیا ہے؟ مسلمانوں میں چار امام ہیں اہل سنت کے اور بارہ امام شیعوں کے ہیں۔ سنیوں کے چار اماموں کی شریعتیں یا شریعت پر تفسیریں الگ الگ ہیں، امام شافعی، امام حنبلی، امام مالکی اور امام ابوحنیفہ۔ ہندوستان کے اہل سنت مسلمان عموماً امام ابوحنیفہ کی تفسیر

شریعت پر چلتے آئے ہیں۔ چند دیگر ممالک میں امام شافعی اور کہیں امام مالک کی بتائی ہوئی شریعت بھی رائج ہے۔ شیعوں کے دوازدہ (۱۲) امام سب امام اول علی ابی ابن طالبؓ کی وقت سے ایک ہی شریعت کے پابند ہیں جس کی تفسیر امام جعفر صادقؒ نے کی ہر دور اور ہر ملک میں رہے ہیں ۔یہ پانچوں تفسیریں اسلام کی ہی شریعت کی مانی گئی ہیں ۔ باوجود چند آپسی سطحی اختلافات کے۔ ہندوستان کے دور حاضر کے اسلامی مورخ قانون دان ۔ اور محقق پروفیسر ڈاکٹر طاہر محمود نے بھی اپنی تصنیفات میں ان پانچوں کو شیعہ سمیت مختلف شریعت ہائے اسلامی گردانا ہے۔ عیسائی طاقتوں کی مہربانی سے اب تو ان شریعتوں میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔

شیعہ علماء تو تعزیہ، علم، ضریح، ذوالجناح وغیرہ کو شریعت کے مطابق جائز و مستحسن مانتے ہی ہیں، اہل سنت کے علماء تعزیہ وغیرہ کو وہی جواز ہزار سال سے دیتے آئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے قبل یعنی ہندوستان میں انگریزی راج کی آمد سے قبل کب کسی سنی عالم دین اسلام نے اعتراض کے یہ شوشے شریعت کا بہانہ کر کے ملت میں چھوڑے اور افتراق پیدا کر لیا؟ حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانی حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ حضرت سید نظام الدین اولیاء، حضرت سید وارث علی شاہ اور دیگر اہل سنت بزرگان دین نے اپنی اپنی حیات طیبہ میں حضرت امام حسینؑ کی تعزیہ داری کی، اپنی درگاہوں اور خانقاہوں میں امام باڑہ بنوائے، علموں سے اپنے امام باڑوں کو سجوایا، ضریح امام عالی مقام رکھی، تعزیے رکھوائے ۔ وہ حضرات مجلس حسینیؑ منعقد کرواتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ سینہ زنی اور نوحہ خوانی کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ آج ہندوستان کا مقبول ترین جلوس تعزیہ لاکھوں برادران اہل سنت کے ساتھ یوم عاشورۂ محرم کو اجمیر شریف میں درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز سے ہی نکل کر شہر میں گشت کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء، درگاہ حضرت مخدوم شاہؒ کچھوچھہ شریف، اور درگاہ وارثی دیوہ شریف میں برادران اہل سنت اپنے بزرگان دین کی قائم کردہ رسم ورواج کو باقی رکھے ہوئے تعزیہ داری، مجلس، سینہ زنی، گریہ اور ہر قسم کے اظہار غم حسینؑ کو اپنائے

ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھ کا، زنجیروں کا اور قما کا ماتم بھی برادران اہل سنت اپنے تعزیہ کے جلوسوں میں کرتے ہیں۔ آگ پر ماتم بھی کرتے ہیں۔ ہر درگاہ اور خانقاہ میں اہل سنت ہی یہ جلوس تعزیہ وماتم بروز عاشورہ نکالتے ہیں۔ ہندوستان میں محرم کی رونق بلکہ ملک گیر تعطیل بھی عام مسلمانوں کی تعزیہ داری سے ہے۔ ورنہ شیعوں کی اور بھی تقریبیں ۱۳ر رجب ۲۱ر رمضان اور ۱۸ر ذی الحجہ کو ہوتی ہیں جو محسوس نہیں کی جاتیں۔ لہذا کس مسلمان کے منہ میں دانت ہیں جو حضرت مخدوم شاہ حضرت خواجہ اجمیری حضرت نظام الدین اور سرکار وارثؒ جیسے اہل سنت رہبران ملت اسلامیہ کو بدعتی کہے اور علم دین و شریعت اسلام سے کماحقہ ناواقف سمجھے محض اس لئے کہ یہ رہبران دین مبین جن کے دم سے آج ہندوستان کے کونے کونے میں کلمہ حق قائم ہے سیدنا حضرت امام حسینؑ کا تعزیہ رکھتے تھے، شہید اعظم پر گریہ کرتے تھے اور سینہ کوبی کو جائز سمجھتے تھے۔

ہاں یہ بھی نئے زمانہ کی تاریخ اسلام کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مغربی عیسائی سامراجی طاقتوں نے ممالک اسلامیہ میں اپنی سیاسی مقاصد برآری کیلئے دین وملت اسلامیہ میں گزشتہ تقریباً دوسوسال سے رخنہ اندازیاں کروانا شروع کردیں۔ اس سے قبل اسپین کی اپنی کھوئی ہوئی حکومت اسی حکمت عملی سے وہ لوگ واپس لے چکے تھے، اور یہی شریعتی نفاق بین المسلمین پھیلا کر دیگر اسی ممالک اسلامی پر اپنا غلبہ، اقتدار واختیار قائم کرلیا جو بیشتر جگہ آج بھی باقی ہے۔ دنیا کی سب سے وسیع حکومت اسلامی جو ہندوستان میں صدیوں کی کدوکاوش سے قائم ہوئی تھی اس کو بھی سامراجی عیسائی طاقت نے نہایت عیاری کیساتھ افتراق بین المسلمین کے آزمودہ ہتھیار کے ذریعہ فنا کرا کے ۱۸۵۷ء کی لڑائی کے بعد خود اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور بالآخر مسلمانوں کے عالمی ملی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے ۱۹۲۴ء میں مسند خلافت اسلام ہمیشہ کے لئے ختم کروادی۔ لیکن مغربی فہم و فراست پر داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ یہ تمام افتراقی کارستانیاں نہایت خوشگوار اور قابل قبول طریقوں سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں اس طرح

کروائی گئیں کہ مسلمانوں نے بیشتر ناواقفی میں ملت اسلامیہ کو تباہ کیا اور تباہ کیے چلے جا رہے ہیں۔ صرف گزشتہ ۲۰۰ سال کے دوران نجد سے وہابی نیز ایران سے قادیان و اور دیگر ہندوستانی شہروں سے بھی نت نئی دینی تحریکیں شریعت اسلام میں رائج اور قائم کروادی گئیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ نئی دینی روشن خیالی ہندوستان میں ۱۸۵۷ عیسوی کے بعد انگریزی حکومت قائم ہوتے ہی یکا یک اور یکے بعد دیگرے کیوں اور کیسے شروع ہوگئیں۔ اور اس سے قبل ہزار سال تک ملت اسلامیہ ہند میں ایک بھی نیا دینی مسلک کیوں نہ قائم ہوا؟ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ نئی دینی تحریکیں، نئی شریعتیں اور نئے مسلک جن کا پرچار آج بھی زور دار طریقہ سے ہندوستان میں ہو رہا ہے اتنی پختہ ہوچکی ہیں اور اتنی جڑ پکڑ چکی ہیں کہ انکو مٹانا یا محو کرنا اب ناممکن ہے۔ ان نئے عقائد اور نئی شریعتی تفسیروں کے پیروکار اپنے دل وجان سے یقین کرنے لگے ہیں کہ جو انھوں نے اپنے دور طالب علمی میں حاصل کیا ہے وہی صحیح اسلام ہے۔ لہذا ان برادران ملت کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ان کے پیروؤں کی نیت پر۔

ویسے اسلامی معاشرہ میں اصلاح کی ضرورت یقینی ہے۔ بہت سے نقصان دہ اور غیر مستحسن رسم ورواج اور بدعات میں تقریباً ہر مسلک اور ہر اسلامی معاشرہ میں داخل ہوگئے ہیں لیکن ہر مسلک کے اپنے علمائے دین اور اپنے عمائدین ہی اپنے پیروؤں اور مسلک والوں کی اصلاح کامیابی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اگر ایک مسلک کے قائد چاہیں کہ دوسرے اسلامی مسلک کی اصلاح کر دیں جس کی بڑی خواہش اور کوشش مسلسل ہوتی رہتی ہے، تو یہ عمل ہرگز اس دوسرے مسلک والوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ میں تلخی اور افتراق پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ آج کے ہندوستانی حالات کے تحت امید رکھنا یا کوشش کرنا کہ سب شیعہ سنی ہوجائیں اور سب سنی وہابی ہوجائیں یا سب مسلمان وہابی سمیت اپنے اپنے مسلک ترک کرکے صرف مسلمان ہوجائیں ایک ناقابل عمل امید موہوم ہے بلکہ اس تبدیلی مسلک کی

حقیقتاً اب کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ عیسائیوں میں بھی متعدد مذہبی فرقے ہیں رومن کیتھلک پروٹسٹنٹ ، میتھڈسٹ وغیرہ وغیرہ۔ اور انکا بنیادی اختلاف ہے حضرت عیسیٰ کی الوہیت یا بشریت پر انجیل کی حقیقت پر حضرت مریمؑ کی حیثیت پر۔ مگر ان اختلافات کے باوجود دنیا میں عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے کوئی عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقہ سے نہیں الجھتا۔ بلکہ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے عقائد سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اس کے پیروں کا احترام کرتا ہے اور ان میں اپنا مسلک اختیار کرانے کی کوشش کی حماقت نہیں کرتا۔ اس طرح دنیا میں ہر عیسائی فرقہ صرف غیر عیسائیوں میں تبلیغ کرتا ہے اور وہ اپنے اپنے عقاید ومسلک پر ہی دنیا کے انسانوں کو خاموشی سے عیسائی بناتے چلے جارہے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ناگالینڈ، میزورم، اروناچل وغیرہ عیسائی اکثریتی ریاستیں ہوچکیں اور منی پور تریپورہ ، آسام کے بیشتر علاقے یہاں تک کہ مغربی بنگال اور اڑیسہ کے معتد بہ حصے عیسائی ہوئے چلے جارہے ہیں اور لاکھوں مسلمان بھی ان علاقوں میں خاموشی سے مرتد ہوکر عیسائی ہوچکے ہیں مگر افسوس ہے مسلمانان ہند کے مسلک پرست علماء، عمائدین اور قائدین پر جو اپنا سارا زور فرقہ بندی اور شریعتی تکرار پر صرف کرکر کے خوش ہیں۔ یہ وقت ملت اسلامیہ ہند کے ہر مسلک کو اس کے علماء پر بھروسہ کرکے اس کے حال پر چھوڑ دینے کا ہے۔ اور سب مسلمانوں کو آپس میں فرقہ وارانہ اتحاد قائم کرکے ملت کے بچاؤ اور فروغ کی فکر کرنی چاہئے۔

شیعوں کی پوزیشن تاریخ اسلام کے ہر دور اور ہر ملک میں مظلوم ہی رہی ہے۔ یہ مسلمانوں میں رونے والا فرقہ مشہور ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ نئی فکر اسلامی کے پرچار کرنیوالے شیعوں کو رونے بھی نہیں دینا چاہتے۔ حضرت امام مظلومؑ کی شہادت پر ہی نہیں ان کی زندگی میں بھی جو مصائب ان پر گزرے اور جن پر شیعہ وسنی مسلمان ہزار سال سے گریہ کرتے آئے ہیں اس کو بھی بدعت اور حرام قرار دیا جارہا ہے۔ کیا صرف گزشتہ ۱۰۰ یا ۲۰۰ سال قبل کے قائم شدہ نئے مسلک اور اس کی نئی شریعتی تخلیق کہ حسینؑ پر رونا اور نبیؐ کا میلاد

منانا بدعت ہے ۱۴۰۰ سال قبل یعنی ابتدائے اسلام سے شیعوں اور سنیوں میں مشترکہ طور پر رائج شریعت محمدی کو منسوخ کر سکتی ہیں؟

جنگ احد کے بعد جب بچا کچا لشکر اسلام مدینہ واپس آیا تو ہر گھر میں ماتم بپا تھا سب عورتیں اپنے ان اعزاء کے غم میں گریہ کررہی تھیں جو جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ شہر کا یہ منظر دیکھ کر حضرت رسولؐ خدا نے جو خود بھی اپنے چچا حضرت حمزہ کی شہادت پر گریہ کناں تھے فرمایا کہ افسوس میرے چچا علمبردار لشکر اسلام پر رونے والا کوئی نہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت سعد ابن معاذ صحابی رسولؐ اٹھے اور سارے شہر کا گشت لگا کر گھر گھر عورتوں سے بآواز بلند کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے وارثوں پر رونا بند کرو اور حضورؐ اکرم کے عم معظم حمزہ کی صف ماتم بچھاؤ، آنحضرت کو تاسف ہو رہا ہے کہ ان کے چچا پر جنھیں اس وقت سید الشہداء کا لقب عطا ہوا تھا رونیوالا کوئی نہیں ہے۔ یہی تاریخی واقعہ زندہ جاوید پر یعنی شہید راہ خدا پر گریہ کے جواز میں پیش کرنا کافی سند ہے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۸۳۔ اور سیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۶۸ طبع مصر ۱۳۲۹ھ

لیکن اور بھی تاریخی حقایق ہیں جن کا عقیدہ اور مسلکی تخیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس وقت حضرت ختمیؐ مرتبت نے رحلت فرمائی تو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے نہ صرف شدید گریہ کیا بلکہ اپنا گریبان چاک کیا اور منہ پیٹا جو ماتم کرنے کا ایک رائج طریقہ ہے۔ (مناہج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوہ ج ۲ ص ۷۹۹۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۱۴)

بعد وفات پیغمبرؐ اسلام خلیفہ دوم نے حضورؐ کی موت کو حیات سے تشبیہ دی اور حضرت رسولؐ خدا پر گریہ کیا۔ (سیر الحلبیہ ج ۲ ص ۲۶۹)

حضرت فاطمہ زہرا سیدۃ النساء العالمین تو اپنے پدر بزرگوار کی رحلت پر جتنے دن زندہ رہیں روتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے رونے سے اہل مدینہ کے کاروبار میں خلل پڑنے کے سبب خلیفہ اول نے مدینہ کے باہر جنت البقیع میں ایک مستقل بیت الحزن کا انتظام کروایا جہاں جناب سیدہ برابر جا کر جناب رسولؐ خدا پر گریہ کیا کرتی تھیں۔ تاریخ اسلام کے اس

واقعہ کی صحت متفقہ علیہ اور اتنی غیر متنازعہ ہے کہ اس کے لئے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت زین العابدین ابن امام حسینؑ کا گریہ بھی تاریخ اسلام کی کھلی حقیقت ہے۔ حضرت زین العبا سانحۂ کربلا کے بعد ۳۴ سال زندہ رہے اور آخر وقت تک اپنے پدر بزرگوار کے مصائب اور ان کی شہادت کے واقعات یادکرکر کے ، بیان کروا کروا کے ، اور خود بیان کرکر کے روتے رلاتے رہے۔ مجلس عزائے حسینی کا رواج شہید کربلا کے فرزند وجانشین حضرت امام زین العابدینؑ کا قائم کیا ہوا آج تک باقی ہے۔

اپنے چاہنے والوں کی مصیبت اور موت پر رونا عین فطرت انسانی ہے۔ چاہے وہ موت شہادت کا درجہ کیوں نہ رکھتی ہو۔ یہ اظہار غم کا نہایت مہذب اور شائستہ طریقہ ہے۔ بلکہ ایسے وقت نہ رونا شقاوت قلب کا مظہر ہے رونا کوئی بزدلی کی علامت نہیں ہے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ غار میں روئے تھے۔ قرآن مجید نے رونا ایک مستحسن فعل قرار دیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے گریہ کا ذکر کرتے ہوئے مرقوم ہے۔

وقال یاسفی علی یوسف وابیضت عینه من الحزن فهو کظیم۔

ترجمہ: اور (روکر) کہا اے میرے غم دینے والے یوسف پر اشک غم بہانے میں میرا ساتھ دے۔ اور (غم فراق یوسف میں) روتے روتے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ سورہ یوسف، آیت ۸۴

ایک شعر جناب مفتی اعظم میر عباس صاحب طاب ثراہ کا ہے۔

یوسف گرے جو چاہ میں یعقوب روئے تھے
ہر چند وہ نبی تھے مگر خوب روئے تھے

ابھی کچھ دن ہوئے سید شہاب الدین ممبر پارلیمنٹ اور راقم الحروف دہلی سے الہ آباد فسادزدوں کی خبر گیری کے لئے گئے۔ ہم لوگوں کے ساتھ جناب ذوالفقار اللہ صدر آل انڈیا

مسلم مجلس مشاورت بھی تھے۔ اور ان ہی کے دولت کدہ پر ہم لوگ ٹھہرے۔ یہ خبر پاتے ہی قریب بیس ستم زدہ مسلمان وہاں داد و فریاد کو آگئے۔ ان میں شہید مظالم کفار ایک نوجوان گلشیر نامی کے ضعیف والد بھی تھے۔ وہ بیچارے اپنے بیٹے کی داستان شہادت سنا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس وقت ایسا المناک ماحول بن گیا کہ ہم سب بھی مع ذوالفقار اللہ صاحب آبدیدہ ہوئے۔ اور شہاب الدین صاحب تو بیساختہ بآواز بلند روئے۔

❀❀❀

حدیث شناسی:

انسانی معرفت کے حدود

علامہ محمد رضا حکیمی

علم و معرفت حاصل کرنے کا طریقہ

قرآن کی نظر میں:

ا۔ کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا کس طرح مخلوقات کو پہلے پہل پیدا کرتا ہے اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کریگا۔ یہ تو خدا کے نزدیک بہت آسان بات ہے (اے رسول ان لوگوں سے) تم کہدو کہ ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو تو کہ خدا نے کس طرح پہلے مخلوق کو پیدا کیا پھر (اسی طرح وہی) خدا (قیامت کے دن) آخری پیدائش پیدا کرے گا۔ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ عنکبوت آیت ۱۹۔۲۰)

۲۔ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمانوں کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور اس کو (کیسی) زینت دی اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس پر بوجھل پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں تا کہ تمام رجوع لانے والے (بندے) ہدایت وعبرت حاصل کریں، اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا تو اس سے باغ (کے درخت) اگائے اور کھیتی کا اناج لمبی لمبی کھجوریں جس کا بور باہم گتھا ہوا ہوتا ہے (یہ سب کچھ) بندوں کی روزی دینے کے لئے (پیدا کیا) اور پانی ہی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا اسی طرح (قیامت میں مردوں کو) نکلنا ہوگا۔ (سورہ ق آیت ۶ تا ۱۱)

۳۔ کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف غور نہیں کرتے کہ کیسا عجیب پیدا کیا گیا ہے۔ اور

آسمان کی طرف کہ کیسا بلند بنایا گیا ہے، اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اورزمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟(سورہ غاشیہ آیت ۱۷ تا ۲۰)

۴۔ کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں تا کہ ان کے ایسے دل ہوتے جیسے حق باتوں کو سمجھتے یا ان کے ایسے کان ہوتے جن کے ذریعہ سے (سچی باتوں کو) سنتے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینے میں ہیں وہی اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔(سورہ حج آیت ۴۶)

۵۔خدا ہی ایسا (قادر وتوانا) ہے جس نے سارے آسمان وزمین کو پیدا کرڈالے اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے (مختلف درختوں سے) تمہاری روزی کے واسطے (طرح طرح کے) پھل پیدا کئے اورتمہارے واسطے کشتیاں تمہارے بس میں کردیں تا کہ اسکے حکم سے دریا میں چلیں اور تمہارے واسطے ندیوں کوتمہارے اختیار میں کردیا، اورسورج وچاند کوتمہارا تابعدار بنادیا کہ سدا پھیری کیا کرتے ہیں اور رات ودن کوتمہارے قبضہ میں کردیا۔(سورہ ابراہیم آیت ۳۲، ۳۳)

۶۔ اور جوطرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اس نے زمین میں تمہارے نفع کے واسطے پیدا کیں کچھ شک نہیں کہ اس میں بھی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت بڑی نشانی ہے اور وہی وہ خدا ہے جس نے دریا کو (بھی تمہارے) قبضہ میں کردیا تا کہ تم اس میں سے (مچھلیوں کا) تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (کی چیزیں موتی وغیرہ) نکالو جن کوتم پہنا کرتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ (آمد ورفت میں) دریا میں (پانی کو) چیرتی پھاڑتی آجاتی ہیں اور (دریا کوتمہارے تابع) اس لئے کردیا کہ تم لوگ اسکے فضل (نفع تجارت) کی تلاش کرو تا کہ تم شکر کرو۔ اور اسی نے زمین پر (بھاری بھاری) پہاڑوں کو گاڑ دیا تا کہ (ایسا نہ ہو کہ) زمین تمہیں لیکر جھک جائے (اورتمہارے قدم نہ جمیں) اور (اسی نے) ندیاں اور راستے بنائے تا کہ تم اپنی اپنی منزل مقصود تک پہنچو (اس کے علاوہ رستوں میں) اور بہت سی نشانیاں پیدا کیں اور بہت سے لوگ ستارہ سے بھی راہ

معلوم کرتے ہیں تو کیا جو (خدا اتنے مخلوقات کو) پیدا کرتا ہے وہ ان (بتوں) کے برابر ہوسکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو (اس کثرت سے ہیں کہ) تم نہیں گن سکتے ہو بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ تمہاری نافرمانی پر بھی نعمت دیتا ہے) اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر بہ ظاہر کرتے ہو خدا (سب کچھ) جانتا ہے اور (یہ کفار) خدا کو چھوڑ کر جن لوگوں کو (حاجت کے وقت) پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود دوسروں کے بنائے ہوئے مردے بے جان ہیں اور اتنی بھی خبر نہیں کہ کب (قیامت) ہوگی اور کب مردے اٹھائے جائیں گے۔ (سورہ نحل آیت ۱۳ تا ۲۱)

۷۔ اور وہ وہی (خدا) ہے جس نے تمہارے (نفع کے) واسطے ستارے پیدا کئے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں ان سے راہ معلوم کرو جو لوگ واقف کار ہیں ان کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کی) نشانیاں خوب تفصیل سے بیان کردی ہیں اور وہ وہی خدا ہے جس نے تم لوگوں کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر (ہر شخص کے) قرار کی جگہ (باپ کی پشت) اور سونپنے کی جگہ (ماں کا پیٹ) مقرر ہے ہم نے سمجھدار لوگوں کے واسطے (اپنی قدرت کی) نشانیاں خوب تفصیل سے بیان کردی ہیں اور وہ وہی (قادر و توانا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم ہی نے اس کے ذریعہ سے ہر چیز کے خوشے نکالے پھر ہم ہی نے اس سے ہری بھری ٹہنیاں نکالیں کہ اس سے ہم باہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور چھوہارے کے بور سے لٹکے ہوئے گچھے (پیدا کئے) اور انگور اور زیتون، اور انار کے باغات جو باہم صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور (مزے میں) جدا جدا جب یہ پھلے اور پکے تو اس کے پھل کی طرف غور تو کرو بے شک اس میں ایماندار لوگوں کے لئے بہت سی (خدا کی) نشانیاں ہیں۔ (سورہ انعام آیت ۹۷ تا ۹۹)

۸۔ بے شک آسمان اور زمین میں ایمان والوں کے لئے (قدرت خدا کی) بہت سی

نشانیاں ہیں، اور تمہاری پیدائش میں (بھی) اور جن جانوروں کو وہ (زمین پر) پھیلاتا رہتا ہے (ان میں بھی) یقین کرنیوالوں کے واسطے بہت سی نشانیاں ہیں اور دن کے آنے جانے میں اور خدا نے آسمان سے جو (ذریعہ) رزق (پانی) نازل فرمایا پھر اس زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے پھیر بدل میں عقلمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ خدا کی آیتیں ہیں جن کو ہم ٹھیک (ٹھیک) تمہارے سامنے پڑھتے ہیں تو خدا اور اسکی آیتوں کے بعد کونسی بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ (سورہ جاثیہ آیت ۳ تا ۶)

۹۔ اور آسمانوں اور زمین میں (خدا کی قدرت کی) کتنی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ (دن رات) گزرا کرتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے رہتے ہیں۔ (سورہ یوسف آیت ۱۰۵)

۱۰۔ کیا تم نے اس شخص پر نظر نہیں کی جو صرف اس بوتے پر کہ خدا نے اسے سلطنت دی تھی ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں الجھ پڑا کہ جب ابراہیم نے (اس سے) کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو (لوگوں کو) جلاتا ہے اور مارتا ہے تو وہ بھی کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا خدا تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تم اس کو پچھم سے تو نکالو اس پر وہ کافر ہکابکا ہو کر رہ گیا (مگر ایمان نہ لایا) اور خدا ظالموں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچایا کرتا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۸)

۱۱۔ جس (خدا) کے قبضہ میں (سارے جہاں کی) بادشاہت ہے وہ بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کام میں سب سے اچھا کون ہے اور وہ غالب (اور) بڑا بخشنے والا ہے، جس نے سات آسمان تلے اوپر ڈالے بھلا تجھے خدا کی آفرینش میں کوئی کسر نظر آتی ہے تو پھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ (سورہ ملک آیت ۱ تا ۳)

۱۲۔ کیا تو نے اس پر بھی نظر نہ ڈالی کہ جو کچھ روئے زمین میں ہے سب کو خدا ہی نے تمہارے قابو میں کردیا اور کشتی کو (بھی) جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے اور وہی تو

آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر (جب) اس کا حکم ہوگا (تو گر پڑے گا) اس میں شک نہیں کہ خدا لوگوں پر بڑا مہربان رحم والا ہے اور وہی تو قادر مطلق ہے جس نے تم کو (پہلی بار ماں کے پیٹ میں) جلا اٹھایا پھر وہی تم کو مار ڈالے گا پھر وہی تم کو دوبارہ زندگی دے گا اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (سورہ حج آیت ۶۵،۶۶)

۱۴۔ اور ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے ہر طرح کی مثالیں پھیر بدل کر بیان کردی ہیں مگر انسان تو تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (سورہ کہف آیت ۵۴)

حدیث کی نظر میں:

۱۔ حضرت علیؑ نے کوناگوں جانوروں کی حیرت انگیز خلقت کے بارے میں فرمایا...

اگر تم خدا کی قدرت وعظمت اور اس کی عظیم نعمت کے سلسلہ میں فکر کرو تو تم صراط حق پر پلٹ جاؤ گے اور جہنم کی جھلسا دینے والی آگ سے ڈرنے لگو گے، لیکن تمہارے قلب بیمار ہیں، بصیرتیں تباہیوں کی نذر ہوگئی ہیں، کیا تم ایک چھوٹی سی مخلوق کے سلسلہ میں نہیں سوچتے کہ اسے کس طرح خلق کیا گیا ہے اور کیونکر اس کی ترکیب وترتیب ہوئی ہے۔ کس طرح اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور چھوٹے چھوٹے کان بنائے گئے ہیں اور اسکے گوشت وپوست بنایا گیا ہے۔

"ذرا اس چیونٹی کی طرف اس کی جسامت کے اختصار اور شکل وصورت کی باریکی کے عالم میں نظر کرو اتنی چھوٹی کہ گوشۂ چشم سے بمشکل دیکھی جاسکے اور نہ فکروں میں سماتی ہے۔ دیکھو تو کیونکر زمین پر رینگتی پھرتی ہے اور اپنے رزق کی طرف لپکتی ہے، اور دانے کو اپنے بل کی طرف لے جاتی ہے اور اسے اپنے قیام گاہ میں مہیا رکھتی ہے اور گرمیوں میں جاڑے کے موسم کے لئے اور قوت وتوانائی کے زمانہ میں عجز و درماندگی کے دنوں کے لئے ذخیرہ اکٹھا کرلیتی ہے۔ اس کی روزی کا ذمہ لیا جاچکا ہے اور اس کے مناسب حال رزق اسے پہنچتا رہتا ہے۔ خدائے کریم اس سے تغافل نہیں برتتا اور صاحب عطا عظمت وجزا اسے محروم نہیں

رکھتا اگر چہ وہ خشک پتھر اور جمے ہوئے سنگ خارا کے اندر کیوں نہ ہو۔ اگر تم اس کی غذا کی نالیوں اور اس کے بلند وپست حصوں اور اس کے خول میں پیٹ کی طرف جھکے ہوئے پسلیوں کے کناروں اور اس کے سر میں (چھوٹی چھوٹی) آنکھوں اور کانوں کی (ساخت میں) غور وفکر کروگے تو اس کی آفرینش پر تمہیں تعجب ہوگا اور اس کا وصف کرنے میں تمہیں تعجب اٹھانا پڑے گا۔ بلند وبرتر ہے وہ جس نے اس کو اس کے پیروں پر کھڑا کیا ہے اور ستونوں (اعضاء) پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔ اسکے بنانے میں کوئی بنانے والا اس کا شریک نہیں ہوا اور نہ اس کے پیدا کرنے میں کسی قادر وتوانا نے اس کا ہاتھ بٹایا ہے، اگر تم سوچ بچار کی راہوں کو طے کرتے ہوئے اس کی آخری حد تک پہنچ جاؤ تو عقل کی رہنمائی تمہیں بس اس نتیجہ پر پہچائے گی کہ جو چیونٹی کا پیدا کرنے والا ہے وہی کھجور کے درخت کا پیدا کرنے والا ہے، کیونکہ ہر چیز کی تفصیل لطافت وباریکی لئے ہوئے ہے اور ہر ذی حیات کے مختلف اعضاء میں باریک ہی سا فرق ہے اس کی مخلوقات میں بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی، طاقتور اور کمزور چیزیں یکساں ہیں۔'' نہج البلاغہ ۲۳۶ کے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے آسمان اور کون ومکان کی خلقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اور یوں ہی آسمان، فضاء، ہوا اور پانی برابر ہیں۔ لہذا تم سورج، چاند، سبزے، درخت، پانی اور پتھر کی طرف دیکھو اور اس رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے اور ان دریاؤں کے جاری ہونے اور ان پہاڑوں کی بہتات اور ان چوٹیوں کی اُچان پر نگاہ دوڑاؤ اور ان لغتوں اور قسم قسم کی زبانوں کے اختلاف پر نظر کرو اس کے بعد افسوس ہے ان پر جو قضا وقدر کے مالک ذات اور نظم وانضباط کے قائم کرنے والی ہستی سے انکار کریں۔ انھوں نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ گھاس پھوس کی طرح خود اگ آئے ہیں نہ ان کا کوئی بونے والا ہے اور نہ ان کی گوناگوں صورتوں کا کوئی بنانے والا انھوں نے اپنے اس دعوے کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں رکھی اور نہ سنی سنائی باتوں کی تحقیق کی ہے۔ (ذرا سوچو تو کہ) کیا کوئی عمارت بغیر بنانے والے کے

ہوا کرتی ہے۔ اور کوئی جرم بغیر مجرم کے ہوتا ہے۔'' نہج البلاغہ ۲۳۷

۳۔حضرت علیؑ نے پرندوں کے مختلف شکل وشباہت کے سلسلہ میں فرمایا...'' اور اپنی لطیف صنعت اور عظیم قدرت پر ایسی واضح نشانیاں شاہد بنا کر قائم کی ہیں کہ جن کے سامنے عقلیں اس کی ہستی کا اعتراف اور اس کی (فرمانبرداری) کا اقرار کرتے ہوئے سر اطاعت خم کرچکی ہیں اور اس کی یکتائی پر یہی عقل کی تسلیم کی ہوئی اور (اس کے خالق بے مثال ہونے پر) مختلف شکل وصورت کے پرندوں کی آفرینش سے ابھری ہوئی دلیلیں ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ وہ پرندے جن کو اس نے زمین کے گڑھوں، دروں کے شگافوں اور مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسایا ہے جو مختلف طرح کے پروبال اور جداگانہ شکل وصورت والے ہیں۔ جنہیں تسلط (الٰہی) کی باگ ڈور میں گھمایا پھرایا جاتا ہے اور جو کشادہ ہوا کی وسعتوں اور کھلی فضاؤں میں پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں، انھیں جبکہ یہ موجود نہ تھے عجیب وغریب ظاہری صورتوں سے آراستہ کرکے) پیدا کیا۔'' نہج البلاغہ ۵۳۰۔۵۳۲،

۴۔حضرت علیؑ ''مور'' کی عجیب وغریب آفرینش کے سلسلہ میں فرماتے ہیں...'' زائد عجیب الخلقت مور ہے کہ (اللہ نے) جس کے (اعضاء کو) موزونیت کے محکم ترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس کے رنگوں کو ایک حسین ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ یہ (حسن وتوازن) ایسے پروں سے ہے کہ جن کی جڑوں کو (ایک دوسرے سے) جوڑدیا ہے اور اسی دم سے ہے جو دور تک کھینچتی چلی جاتی ہے۔...وہ اس کے رنگوں پر اتراتا ہے اور اس کی جنبشوں کے ساتھ جھومنے لگتا ہے... میں اس (بیان) کے لئے مشاہدہ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ چیزیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھو، نہج البلاغہ ۵۳۲۔۵۴۰

۵۔حضرت علیؑ کا یہ ارشاد چمگادڑ کی عجیب وغریب خلقت کے بارے میں ہے آپ نے فرمایا'' اس کی صنعت کی لطافتوں اور خلقت کی عجیب وغریب کارفرمائیوں میں کیا کیا گہری حکمتیں ہیں کہ جو اس نے ہمیں چمگادڑوں کے اندر دکھائی ہیں کہ جن کی آنکھوں کو (دن کا)

اجالا بکھیر دیتا ہے حالانکہ وہ تمام آنکھوں میں (روشنی پھیلانے والا ہے) اور اندھیرا ان کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے حالانکہ وہ ہر زندہ شے کی آنکھوں پر نقاب ڈالنے والا ہے۔ اور کیونکر چمکتے ہوئے سورج میں ان کی آنکھیں چکاچوند ہوجاتی ہیں کہ وہ اس کی نورپاش شعاعوں سے مدد لے کر اپنے راستوں پر آجاسکیں اور نور آفتاب کے پھیلاؤ میں اپنی جانی پہچانی ہوئی چیزوں تک پہنچ سکیں۔ اس نے تو اپنی ضوپاشیوں کی تابش سے انھیں نور کی تجلیوں میں بڑھنے سے روک دیا ہے اور ان کے پوشیدہ ٹھکانوں میں انھیں چھپادیا ہے کہ وہ اس کی روشنی کے اجالوں میں آسکیں دن کے وقت تو وہ اس طرح ہوتی ہیں کہ ان کی پلکیں جھک کر آنکھوں پر لٹک آتی ہیں اور تاریکی شب کو اپنا چراغ بنا کر رزق کو ڈھونڈنے میں اس سے مدد لیتی ہیں، رات کی تاریکیاں ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے نہیں روکتیں اور نہ اس کی گھٹا ٹوپ اندھیاریاں راہ پیماؤں سے باز رکھتی ہیں۔ مگر جب آفتاب اپنے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے اور دن کے اجالے ابھر آتے ہیں اور سورج کی کرنیں سوسمار کے سوراخ کے اندر تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنی پلکوں کو آنکھوں پر جھکا لیتی ہیں اور رات کی تیرگیوں میں جو معاش حاصل کی ہے اسی پر اپنا وقت پورا کرلیتی ہیں۔ سبحان اللہ کہ جس نے رات ان کے کسب معاش کے لئے اور دن آرام و سکون کے لئے بنایا اور ان کے گوشت ہی سے ان کے پر بنائے ہیں اور جب اڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہی پروں سے اونچی ہوتی ہیں گویا کہ وہ کانوں کی لویں ہیں کہ نہ ان میں پروبال ہیں اور نہ کریاں مگر تم ان کی رگوں کی جگہ کو دیکھو گے کہ اس کے نشان ظاہر ہیں اور اس میں دو پر سے لگے ہوئے ہیں کہ جو نہ اتنے باریک ہیں کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنے موٹے ہیں کہ بوجھل ہوجائیں (کہ اڑا نہ جاسکے) وہ اڑتی ہیں تو بچے ان سے چمٹے رہتے ہیں جب وہ نیچے کی طرف جھکتی ہیں تو بچے بھی جھک پڑتے ہیں اور جب وہ اونچی ہوتی ہیں تو بچے بھی اونچے ہوجاتے ہیں اور اس وقت تک الگ نہیں ہوتے جب تک ان کے اعضاء میں مضبوطی نہ آجائے اور بلند ہونے کے لئے ان کے پر (ان کا بوجھ) اٹھانے کے قابل نہ ہوجائیں، وہ اپنی زندگی کی راہوں اور اپنی

مصلحتوں کو پہچانتے ہیں پاک ہے وہ خدا کہ جسے بغیر کسی نمونہ کے کہ جو اس سے پہلے کسی نے بنایا ہو ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نہج البلاغہ ۲۸۴۔ ۲۸۳

۶۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مفضل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے مفضل ایک حقیر ترین چیز چیونٹی کے بارے میں بھی بہتر سوچو! کیا تم اس نقصان وہ جانور کی طرف سے جو کچھ اس کے لئے سزاوار ہے تم اسے دیکھتے ہو؟ کیا تم یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس کی پیدائش کب اور کیسے ہوئی؟ کیا یہ مختصری تخلیق تدبیر ہے جو ہر چھوٹی بڑی چیز کے خالق کی خلاقیت کے لئے آشکار ہے؟ چیونٹیوں کے اوپر اور ان کا ایک دوسرے کی امداد کو پہنچ جانا، اپنے لئے طاقت اور غذا حاصل کرنے کے لئے آمادہ رہنا اس پر خوب غور کرو، ان میں کے گروہ کو دیکھتے ہو گے وہ دانہ کو آشیانہ میں لے جاتے وقت لوگوں کی جماعت کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں جو کہ خوراک کو منتقل کرنے میں یا دوسرے کاموں میں مصروف رہتے ہیں، بلکہ چیونٹیوں کو تو اس کام میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اتنی کوشش کرتی ہیں کہ لوگ بھی اتنی کوشش وہمت نہیں کرتے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اپنے اسباب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں؟ پھر وہ دانہ کو اپنے حساب سے تیار کرنے لگتی ہیں وہ انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کردیتی ہیں تاکہ وہ ہرا نہ ہوسکے اور نہ ہی خراب ہوسکے اگر وہ رطوبت کی وجہ سے نم ہوجاتا ہے تو وہ اسے آشیانہ سے باہر لاتی ہیں اسے پھیلا کر خشک کرتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ چیونٹیاں اس جگہ اپنا آشیانہ بناتی ہیں جو بلند مقام ہوتا کہ وہاں بارش کا پانی نہ پہنچ سکے اور انہیں غرق نہ کردے کیا یہ سب بغیر عقل وفکر کے ممکن ہے؟ نہیں بلکہ یہ خلاق کائنات کا لطف وکرم اور اس کی مصلحت ہے کہ اس نے ایسی مخلوق پیدا کی۔ بحار الانوار ۳/ ۱۰۲۔ ۱۰۱

❀❀❀

تاریخ اسلام:

ہجرت کے چوتھے سال کے حوادث:

پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت کا چوتھا سال

از: آیت اللہ جعفر سبحانی

۱۔ الکوہلی مشروبات کی تحریم:

شراب اور مجموعی اعتبار سے ''مسکرات'' یعنی نشہ آور اشیاء کو انسانی سماج کے لئے ہمیشہ سے نہایت مہلک اور تباہ کن بلاؤں میں شمار کیا جاتا رہا ہے اور اس قاتل و مہلک زہر کی مذمت میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ انسان کے عقل پر حملہ آور ہوتی ہے جو اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہی نہیں بلکہ جس کی وجہ سے اس کو دنیا کی تمام مخلوقات پر امتیاز حاصل ہے۔ جی ہاں! یہ عقل و خرد ہی تو ہے جو انسانی سعادت کی ضمانت فراہم کرتی ہے اور انسان کو جملہ مخلوقات سے الگ اور صاحب امتیاز و نمایاں حیثیت عطا کرتی ہے اور وہ اپنی فکری صلاحیت سے تمام مخلوقات پر عظمت و فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور ''الکوہلی'' کو عقل و خرد کا جانی دشمن شمار کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے الکوہلی مشروبات کے استعمال پر مکمل پابندی جملہ پیغمبران الٰہی کا اہم منصوبہ رہا ہے اور اسی وجہ سے تمام آسمانی شریعتوں میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔[1]

عربستان جیسے وسیع علاقہ و جزیرہ نما میں شراب خوری ایک عام مصیبت اور ہر جگہ پھیلی ہوئی خوفناک بیماری کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس بیماری کی روک تھام اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی۔ محدود وسائل و امکانات اور عمومی عرب حالات بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی مقدمہ کے بغیر ہی شراب کی تحریم کا اعلان

کر دیتے بلکہ ایک ماہر طبیب کی طرح وہ اس بات کے لئے مجبور تھے کہ اس اعلان سے قبل معاشرہ کے مزاج کو پوری طرح آمادہ کرلیں تا کہ اس بیماری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے اور اسلامی معاشرہ کو اس مصیبت سے مکمل نجات دلائی جاسکے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ شراب سے نفرت وبیزاری کے اظہار کے سلسلے میں نازل ہونے والی چاروں آیات ایک جیسی نہیں ہیں بلکہ ابتدائی مرحلہ سے ان کا آغاز ہوتا ہے اور آخر میں اس کے مکمل حرام ہونے کا اعلان کردیا جاتا ہے۔

ان آیات کے سلسلے میں مکمل غوروفکر کے ذریعہ ہی ہم لوگوں کو پیغمبرؐ خدا کی تبلیغی راہ وروش کا اندازہ ہوسکتا ہے بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہمارے عظیم الشان مقررین اور مصنفین بھی سماجی خرابیوں کا مقابلہ کرتے وقت اسی راہ روش کی پیروی کیا کریں۔

ایک نامناسب کردار سے مقابلہ کرنے کی بنیادی شرط یہ ہوا کرتی ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو فکری اعتبار سے اس میں موجود نقصانات اور مفاسد کی طرف متوجہ کردیا جائے۔ جب تک معاشرہ میں ذہنی آمادگی اور روشن ضمیری موجود نہ ہو معاشرہ کے کسی نامناسب کرداریا فساد کے خلاف ایسی اصولی جدوجہد ممکن ہی نہیں ہے جس کو خود عوام جامۂ عمل پہنانے کی ضمانت دے رہے ہوں۔

اسی وجہ سے قرآن مجید ابتدائی مرحلہ میں ایک ایسے معاشرہ میں جہاں شراب خوری انسانی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن چکی تھی، خرما اور انگور جیسے ''عمدہ رزق'' سے شراب تیار کرنے کو کفران نعمت سے تعبیر کرتے ہوئے لوگوں کے خوابیدہ ذہنوں کو جھنجوڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ ''ومن ثمرات النخیل والا عناب تتخذون منه سکراو رزقا حسنا'' یعنی اے لوگو! تم خرما اور انگور سے نشہ آور اور مست کردینے والا مشروب بھی آمادہ کرتے ہو اور عمدہ رزق بھی حاصل کرتے ہو''۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن نے پہلی بار ان لوگوں کے کان تک یہ بات پہونچادی کہ خداوند عالم کی ان نعمتوں سے

شراب تیار کرنا عمدہ رزق کی حیثیت سے ان کا استعمال ہرگز نہیں ہے بلکہ بہتر اور رزق احسن' کی حیثیت سے اس کا استعمال اسی وقت ممکن ہے ہم انہیں خرما اور انگور کی شکل میں ہی استعمال کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ نے نہ صرف یہ کہ ان لوگوں کو فکری طور پر پوری طرح جھنجھوڑ دیا بکہ ان کے فاسد وآلودہ ذہن میں اتنی لچک بھی پیدا کردی کہ وہ پیغمبر کے قدرے شدید ترلب ولہجہ کو برداشت کرسکیں اور پیغمبر دوسری آیہ کریمہ کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کرسکیں کہ شراب خوری اور قمار بازی میں موجود معمولی مادی فائدہ ان سے پہونچنے والے بھاری نقصانات کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ درج ذیل آیت میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

"یسئلونک عن الخمر... نفعهما" ؎ یعنی یہ لوگ شراب اور قمار کے علم کے سلسلے میں تم سے سوال کررہے ہیں تو تم ان لوگوں کو یہ جواب دیدو کہ اگر قمار اور شراب میں معمولی مادی فائدہ ضرور ہے لیکن ان میں نقصان اور گناہ بہت زیادہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نفع ونقصان کے درمیان مقابلے کی صورت میں اگر نقصان فائدہ پر بھاری ہو تو عقلمند آدمی میں ایسی چیز سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے لیکن عوام الناس کو جب تک واضح انداز میں روکا نہ جائے ان پر ایسے انداز بیان میں کا کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا اور وہ اپنے نامناسب عمل سے علیحدگی نہیں اختیار کرتے۔

یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوچکی تھی اور "عبد الرحمان عوف" نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور دسترخوان پر شراب بھی پیش کی۔ دعوت میں موجود لوگ شراب نوشی کے بعد نماز کے لئے صف بستہ ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے حالت نماز میں آیت کی ایسی غلط تلاوت کی کہ اس کا مفہوم ہی الٹ گیا۔ یعنی "لا اعبد ماتعبدون۔" یعنی اے مشرکو! میں تمہارے بتوں کی پرستش نہیں کرتا ہوں کے بجائے یہ پڑھ دیا۔ "اعبد ماتعبدون۔" جس کا مطلب

مطلوبہ مفہوم کے برعکس ہے۔

ان حالات وحوادث نے لوگوں کے ذہن کو اس بات کے لئے آمادہ کردیا کہ معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مخصوص حالات میں شراب نوشی پر پابندی لگادی جائے۔ چنانچہ ماحول سازگار ہوتے ہی واضح لفظوں میں یہ اعلان کردیا گیا کہ کسی مرد مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ شراب نوشی کی حالت میں نماز ادا کرے۔خداوند عالم نے درج ذیل آیت میں اس شرعی حکم کا باقاعدہ اعلان کردیا۔

"لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون۔"[۴] یعنی نشہ اور مستی کی حالت میں نماز مت پڑھو تاکہ تم یہ جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟

اس آیہ کریمہ کا اتنا زیادہ اثر ہوا کہ کچھ لوگوں نے شراب کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا۔ ان لوگوں کی منطق یہ تھی کہ جو چیز تمہاری نماز کونقصان پہونچاتی ہے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینا چاہئے۔ یہاں تک کہ "انصار" میں سے ایک شخص نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں شریک ہونے والے لوگوں نے شراب پی کر آپس میں اتنا زبردست جھگڑا کیا کہ ایک دوسرے کا ہاتھ وپیر توڑ ڈالا اور اس کے بعد شکایت لے کر خدمت رسول میں حاضر ہوگئے خلیفہ دوم اس وقت تک شراب برابر استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا استدلال یہ تھا کہ گذشتہ آیات میں شراب کو قطعی طور پر حرام قرار نہیں دیا گیا۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دست دعا بلند کرتے ہوئے فرمایا۔" اللھم بین لنا بیانا شافیا فی الخمر۔"یعنی اے خدا! شراب نوشی کے سلسلے میں ہم لوگوں کے لئے واضح اور تسلی بخش حکم نازل کردے۔

کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس قسم کے ناپسندیدہ حوادث نے معاشرہ کو ذہنی طور پر شراب خوری کی مکمل تحریم کے سلسلے میں پوری طرح آمادہ کردیا چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد شراب کی حرمت کے سلسلے میں یہ حکم خداندی نازل ہوا۔

"یا ایھاالذین آمنوا انما الخمر... لعلکم تفلحون۔"[۵]

یعنی اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسہ یہ سب گندے شیطانی اعمال ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو تا کہ کامیابی حاصل کرسکو۔

اس فصیح وبلیغ وتاکیدی اور الٰہی حکم نازل ہونے کے بعد ان لوگوں نے بھی شراب نوشی ترک کردی جو واضح حکم ممنوعیت کے نہ ہونے کی وجہ سے شراب پی لیا کرتے تھے۔ سنی اور شیعہ کتابوں میں منقول ہے کہ خلیفہ دوم نے مذکورہ آیت کو سننے کے بعد یہ فرمایا۔ ''انتھینا یارب'' اے خدا میں اسی وقت اپنی دوری وعلیحدگی کا اعلان کرتا ہوں۔''۴

خلیفہ دوم تین آیات کے نازل ہونے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوئے اور شراب نوشی کی مکمل تحریم کے سلسلے میں واضح اور کافی حکم کی آمد کا انتظار کرتے رہے اور آخر کار شراب کی تحریم کے سلسلے میں نازل شدہ چوتھی اور بالکل واضح آیت کے نزول نے انہیں بالکل مطمئن کردیا۔ اس سلسلے میں حکم خداوندی یہ تھا۔ ''رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔'' لیکن ہمارے دور کے مغربی تہذیب وتمدن کے متوالے تو ان آیات کو غیر اطمینان بخش قرار دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ ''شراب کی تحریم کے سلسلے میں لفظ ''حرام'' یا ''حرم'' کا استعمال لازمی تھا ورنہ دوسرے کسی لفظ سے شراب کی حرمت کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

نفسانی خواہشات کے چنگل میں پھنسے ہوئے یہ تمام لوگ درحقیقت ایسے بہانہ کی تلاش میں سرگرم رہا کرتے ہیں کہ شراب کی بوتل کے ساتھ شیطان کی ہم آغوشی اختیار کئے رہیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اس قسم کی بیہودہ اور بے بنیاد باتیں اکثر کیا کرتے ہیں۔ اتفاق کی بات کہ قرآن مجید نے اس قسم کی شیطانی فکروں کو کچلنے کی خاطر شراب کے بارے میں ایک طرح سے لفظ ''حرام'' کا استعمال بھی کیا ہے کیونکہ ایک آیہ کریمہ میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے۔ ''واثمھما اکبر من نفعھما۔''۷ یعنی الکوہل نوشی کو اثم کبیر کے ساتھ شمار کیا ہے۔

اور دوسری آیت میں تمام ''اثم'' کو حرام قرار دیتے ہوئے خداوند عالم کا ارشاد گرامی ہے ''قل انما حرم ربی الفواحش ماظھر منھا وما بطن والاثم۔''۸ یعنی کہدو کہ

میرے پروردگار نے ظاہری اور باطنی فواحش اور جملہ ''اثم'' اور گناہوں کو حرام قرار دیا ہے۔

دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک آیت میں موضوع کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ شراب نوشی کو حرام قرار دیا جاچکا ہے جو ایک طرح سے ''اثم'' ہے۔

کیا اس واضح بیان کے بعد بھی مغربی تہذیب کے متوالوں کو شراب نوشی جیسی لعنت اور دیگر فواحش کی تحریم کے سلسلے میں مزید شرعی احکام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

درحقیقت ہم لوگوں کو اس قسم کے استدلالوں کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مذکورہ چار قرآنی آیات میں شراب کو ''رجس'' و ''پلیدی'' کو ''میسر'' و ''قمار'' اور شیطانی عمل کا ہم پلہ قرار دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس عمل کو نجات کا دشمن اور بغض و عداوت کی ایجاد کا باعث بھی قرار دیا گیا ہے اور نہایت واضح انداز میں اس کو حرام اعلان کیا جاچکا ہے اور اس کی تحریم کے سلسلے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

اس جگہ اس بات کا ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے مذکورہ چار آیتوں کے ذریعہ اپنے معاشرہ کو اس پلید وفاسد چیز سے نجات فراہم کردی اور ان کا سماج شراب نوشی کی لعنت سے پاک ہوگیا اور لوگوں نے اپنی ایمانی طاقت کے ذریعہ اس الٰہی حکم کو نافذ کردیا لیکن مغربی دنیا کے پاس وسیع تبلیغاتی رسائل و امکانات موجود ہیں پھر بھی وہ اس قاتل زہر کی روک تھام میں اب تک پوری طرح ناکام ہے اور اس پر پابندی لگانے کے سلسلے میں اس کے جملہ اقدام پوری طرح بے اثر ثابت ہوچکے ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ نے ۱۹۳۳ اور ۱۹۳۵ عیسوی کے دوران الکوہلی مشروبات پر پابندی لگانے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن اس کو دردناک حوادث کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار وہ اپنی کوشش میں پوری طرح ناکام ہوگیا جس کا تفصیلی ذکر تاریخی کتب میں موجود ہے۔

غزوہ ذات الرقاع:

عربی زبان میں لفظ ''رقاع'' کا مطلب پھٹی ہوئی جگہ پر لگنے والے ''پیوند'' ہیں۔ اس

مقدس جہاد کو "ذات الرقاع" اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کو محاذ جنگ پر مختلف النوع پستیوں اور بلندیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے جو پیوند لگے ہوئے کپڑے کی طرح دور ہی سے دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس جہاد مقدس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں سا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سپاہیوں نے پیادہ روی کی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنے پیروں میں پرانے کپڑے لپیٹ رکھے تھے۔

بہر حال دیگر غزوات کی طرح یہ کوئی معمولی غزوہ یا ابتدائی جنگ نہ تھی بلکہ اس کا مقصد اس چنگاری کو پوری طرح بجھا دینا تھا جو لو پکڑنے لگی تھی۔ دوسری عبارت میں مقصد اسلام کے اس جوش وخروش کو نابود کرنا تھا جو غطفان کے "بنی محارب" اور "بنی ثعلبہ" نامی دو قبیلوں میں روز بروز پروان چڑھتا جارہا تھا۔

پیغمبرؐ کی یہ سیرت تھی کہ وہ اچھی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد کو علاقے میں ادھر ادھر بھیج دیا کرتے تھے تاکہ وہ عام حالات سے انھیں باخبر رکھیں۔ اچانک انہیں یہ اطلاع ملی کہ مذکورہ دو قبیلے "مدینہ" پر فتح وکامیابی حاصل کرنے کے لئے اسلحوں اور سپاہیوں کو جمع کرنے میں سرگرم ہیں۔ پیغمبرؐ اپنی مخصوص جماعت کے ہمراہ "نجد" کی طرف روانہ ہوگئے اور دشمن کے علاقے کے قریب میں پڑاؤ ڈال دیا۔ سپاہ اسلام کی شجاعانہ سرگرمیوں نے اس زمانے میں پورے عربستان کو حیرت زدہ کررکھا تھا۔ جیسے ہی دشمن کو پیغمبرؐ کی آمد کی اطلاع ملی وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے اور مقابلہ وصف آرائی کے بجائے یہ لوگ علاقے کی اونچی اونچی چوٹیوں پر پناہ گزیں ہوگئے۔

لیکن پیغمبر اکرمؐ نے اس جنگی کارروائی کے دوران سپاہیان اسلام کے ہمراہ واجب نمازوں کے بجائے "صلوٰۃ خوف" قائم کی تھی اور سورہ نساء کی آیت ۱۰۲ کے ذریعہ مسلمانوں کو اس کی حقیقی کیفیت سے آگاہ بھی کردیا تھا اسی وجہ سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ دشمنوں کے پاس کافی جنگی سازوسامان موجود تھا اور معاملہ نہایت نازک منزل تک پہونچ چکا تھا لیکن آخر

کار کامیابی مسلمانوں کو ہی نصیب ہوئی۔

شجاعت وجوانمردی:

ابن الاسلام طبری" ۹ اور" ابن ھشام" جیسے مفسرین اور ماہر سیرت نگاروں نے اس جنگ کے دوران رونما ہونے والے ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے دشمن کے مقابلے میں پیغمبرؐ کی شجاعت وبہادری کا پتہ چلتا ہے اور ہم "غذوہ ذی امر" کے ذیل میں اسی طرح کے ایک واقع کا ذکر کر چکے ہیں ۱۰۔ اسی وجہ سے سردست اختصار کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا جارہا ہے۔

جلیم محافظین:

اگر چہ سپاہیان اسلام اس غزوہ میں کسی قسم کی جنگ ونبرد آزمائی کے بغیر ہی مدینہ واپس آگئے تھے لیکن انھیں کچھ مال غنیمت حاصل ہوگیا تھا۔ ان لوگوں نے ایک وسیع گھاٹی میں رات بھر آرام کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس گھاٹی کے دہانے پر دو بہادر نوجوانوں کو تعینات کر دیا تھا کہ وہ گھاٹی کی حفاظت کا کام انجام دیں۔ "عباد" اور "عمار" نامی ان دو سپاہیوں نے رات کو آپس میں تقسیم کرلیا اور اس بٹوارہ کے مطابق طے یہ پایا کہ ابتدائی نصف کے دوران "عبادہ" پہرہ دیں گے۔

قبیلہ غطفان' کا ایک شخص مسلمانوں کا تعاقب کررہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی فکر میں لگا ہوا تھا لیکن وہ مسلمانوں پر حملہ کرکے اپنی جان بچا کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اس آدمی نے رات کی تاریکی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور ایک کمین گاہ سے نماز میں مصروف پہرہ دار کو اپنے تیر کا نشانہ بنالیا۔ پہرہ دار اس حدتک مناجات الٰہی میں غرق تھا کہ اسے تیر کی سوزش بھی زیادہ محسوس نہ ہوئی۔ اس نے تیر کو اپنے پیر سے باہر نکالا اور دوبارہ نماز میں مشغول ہوگیا۔ لیکن دشمن نے یکے بعد دیگرے لگاتار تین حملے کئے اور تیسری مرتبہ چوٹ اتنی گہری تھی کہ وہ اپنی نماز جاری نہ رکھ سکا اور بڑی تیزی سے رکوع وسجدہ ادا کرتے ہوئے

نماز تمام کردی اور اپنے ساتھی ''عمار'' کو خواب سے بیدار کیا۔

''عمار'' اپنے ساتھی ''عبادہ'' کی زخمی حالت دیکھ کر بے چین ہو گئے اور کہنے لگے ''تم نے مجھے اس وقت کیوں نہیں جگایا جب دشمن نے پہلی بار حملہ کیا تھا؟'' اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''میں اپنے پروردگار کی مناجات میں لگا ہوا تھا۔ میں قرآن مجید کے ایک سورہ کی تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک میرے پہلا تیر لگا۔ مناجات الٰہی کی غیر معمولی لذت کی وجہ سے میں نے نماز منقطع نہیں کی۔ اگر دل میں یہ خیال نہ ہوتا کہ پیغمبرؐ نے اس علاقے کی حفاظت کی ذمہ داری میرے سپرد کی ہے تو میں ہرگز تلاوت آیات الٰہی اور نماز منقطع نہ کرتا اور نماز کی حالت میں اپنی جان دیدیتا لیکن نماز ہرگز قطع نہ کرتا''۔[11]

بدر دوم: ''جنگ اُحد'' کے خاتمہ پر ابوسفیان نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اگلے سال اسی موقع پر ''بدر'' کے بیابان میں ہم لوگوں کا دوبارہ ٹکراؤ ہوگا اور اس وقت میں بڑے پیمانے پر انتقام لوں گا۔''

حکم پیغمبرؐ کے بموجب مسلمانوں نے دفاع کی تیاری کا کام مکمل کرلیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک سال کی مدت گزر گئی۔ ابوسفیان'' جو قبیلہ قریش کا سردار تھا، اس مدت کے دوران مختلف النوع پریشانیوں میں گرفتار رہا۔ ''نعیم بن سعود'' دونوں گروہوں کا مشترکہ دوست تھا۔ وہ اس زمانے میں مکہ آیا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے فوراً مدینہ واپس چلے جانے کا مطالبہ کیا تاکہ وہ محمد کو مدینہ سے باہر نہ نکلنے دے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ امسال ہم لوگوں کا مکہ ترک کرنا ممکن نہیں ہے اور ''بدر'' کے علاقے میں محمد کی فوجوں کی نمائش درحقیقت ہماری شکست کا باعث ہوگا کیونکہ ''بدر'' عربوں کا عام بازار ہے۔''

مقصد کچھ بھی رہا ہو بہر حال ''نعیم'' مدینہ واپس آگئے لیکن ان کی باتوں کا پیغمبر اکرمؐ پر ذرہ برابر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ڈیڑھ ہزار سپاہیوں، چند گھوڑوں اور تجارتی سامان کے ساتھ

ذیقعدہ مہینہ کے آغاز میں ہجرت کے چوتھے سال سرزمین بدر میں داخل ہوگئے۔ اس علاقے میں یہ سالانہ میلے کا موسم تھا۔ مسلمانوں نے اس میلے میں اپنا تجارتی سامان فروخت کیا اور خوب فائدہ بھی حاصل کیا۔ اسکے بعد اطراف سے جمع ہونے والے لوگ متفرق ہوگئے لیکن سپاہ اسلام پہلے کی طرح مکہ سے آنے والی فوج کا انتظار کرتی رہی۔

مکہ والوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ سرزمین ''بدر'' میں داخل ہو چکے تھے اور اب سرداران مکہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرتے ہوئے مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ ابوسفیان بڑے سازوسامان کے ساتھ ''مرالظہران'' تک آیا لیکن بعد میں قحط وغلہ وغیرہ کو بہانہ بناتے ہوئے وہ آدھے راستے سے ہی واپس چلا گیا۔

سپاہ شرک کی واپسی اتنی نقصان دہ اور ذلت آمیز ثابت ہوئی کہ ''صفوان'' نے ''ابوسفیان'' سے اعتراض آمیز انداز میں کہا۔

''اس عقب نشینی کی وجہ سے ہم لوگ ان سبھی افتخارات وامتیازات سے محروم ہوگئے جو ہمیں ماضی میں حاصل ہوئے تھے۔ اگر تو نے پچھلے سال جنگ کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو ہم لوگوں کو ایسی معنوی شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔[۱۲]

چوتھی ہجری کے شعبان کے مہینے میں تیسری تاریخ پیغمبر اکرمؐ کے دوسرے نواسے یعنی حسین بن علیؑ نے اس دنیا میں قدم رکھا[۱۳] اسی طرح اسی سال حضرت علیؑ علیہ السلام کی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ بنت اسد نے اس دارفانی سے انتقال فرمایا[۱۴] اور اسی سال پیغمبر اکرمؐ نے ''زید بن ثابت'' کو حکم دیا کہ وہ یہودیوں سے سریانی رسم الخط سیکھیں۔[۱۵]

حوالے:

۱۔ ۱۳۳۹ھ ش میں الکوہل مخالف بین الاقوامی تنظیم کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر آرشی ٹونک ایران تشریف لائے اور اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ اسلامی احکام کے بموجب

نشہ آور چیزوں کا استعمال ممنوع ہے۔

الکوہل کے بارے میں اسلامی نظریات سے مکمل واقفیت کی غرض سے انہوں نے اس زمانے میں دنیائے تشیع کے قائد عظیم المرتبت آیت اللہ العظمیٰ بروجردی قدس اللہ سرہ کے ساتھ ملاقات وگفتگو کی خواہش ظاہر کی اور تہران میں مقیم اصفہان کے ماہر ڈاکٹروں کے ہمراہ قم آگئے اور آیت اللہ بروجردی کی اجازت سے انہیں کے گھر پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔

اس جلسہ میں حضرت استاد علامہ طباطبائی بھی موجود تھے۔ بندہ ناچیز اور میرے والد محترم حضرت حجت الاسلام آقای حاج میرزا محمد حسین خیابانی (دام ظلہ) ملاقات کی غرض سے پہلے ہی وہاں موجود تھے چنانچہ اس جلسہ میں شرکت کا موقع بھی حاصل ہوگیا۔

ڈاکٹر آرشی نے آیت اللہ بروجردی سے پہلا سوال یہ کیا کہ اسلام نے الکوہلی مشروبات کے استعمال کو ممنوع کیوں قرار دیا ہے۔ آیت اللہ بروجردی نے نشہ آور مشروبات کی ممنوعیت کے مختلف اسباب وعوامل کونظر انداز کرتے ہوئے صرف اس بات پر زوردیا کہ الکوہل انسانی عقل وخرد کو، جو تمام دیگر مخلوقات پر انسان کے لئے سرمایہ عظمت وفضیلت ہے۔ پوری طرح نابود کردیتی ہے اور مذکورہ بالا عبارتوں میں اس کی مکمل وضاحت پیش کی جا چکی ہے۔

۲۔ سورہ نحل ۶۸

۳۔ سورہ بقرہ ۲۱۹

۴۔ سورہ نساء آیت ۴۳ اور سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۲۸

۵۔ سورہ مائدہ آیت ۹۰

۶۔ مستدرک جلد ۴ ص ۱۴۳ اور ''روح المعانی جلد ۷ ص ۱۵

۷۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۹

۸۔ سورہ اعراف آیت ۳۳

۹۔ سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۵، مجمع البیان جلد ۳ ص۔ ۱۰۳

۱۰۔فروغ ابدیت جلد ۲ ص ۱۴۱۴

۱۱۔سیرۂ ابن ھشام جلد ۲ ص ۔ ۲۰۸، ۲۰۹

۱۲۔مغازی واقدی جلد ۱ ص ۳۸۴۔۳۹۰، یہ واقعہ ہجرت کے ۴۰ ویں ماہ رونما ہوا۔

۱۳۔تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۔۴۶۷

۱۴۔ایضاً

۱۵۔امتاع الاسماع ص ۱۸۷ اور تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۴۶۴

☆☆☆☆☆

اسلام کا اجتماعی نظام:

اسلام میں عمر رسیدہ اشخاص کے حقوق

از: احمد رفائی

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور مرحلوں کا احاطہ کرتے ہوئے ان سے متعلق احکام وحقوق کی مکمل اور بھرپور وضاحت کردی ہے سردست تعلیمات عالیہ اہلبیت علیہم السلام کی روشنی میں سن رسیدہ افراد سے متعلق حقوق واحکام موضوع بحث ہیں۔

شیخ اور سن رسیدہ کے لغوی معنی ومفہوم:

علامہ فیروز آبادی قاموس میں رقمطراز ہیں کہ شیخ وہ ہے جس کی عمر ۵۰ یا ۵۱ سال سے زیادہ ہوگئی ہو، شیخوخہ کا اطلاق ۵۰، ۵۱ سال سے لیکر آخر عمر یا پھر ۸۰ سال تک پر ہوتا ہے[1] مسن سے مراد عمر رسیدہ شخص ہے۔[2] اور ہرم سے مراد شیخوخہ کا آخری مرحلہ[3]

امام جعفر بن محمد صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بڑھاپے کی تین علامتیں ہیں۔ نگاہ کا کمزور ہونا، کمر کا جھکنا اور قدم کا لڑکھڑانا[4] اور حدیث میں "کبر" سے مراد شیخوخہ کا آخری مرحلہ ہے۔ شیب اور شیبہ سے مراد بالوں کا سفید ہونا ہے۔[5] اور اصمعی سے منقول ہے کہ شیب سے مراد بیاض شعر ہے۔[6]

شیخوخہ طبی اعتبار سے:

طبی اعتبار سے شیخوخہ بذات خود کوئی بیماری نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے جسم کو متعدد بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ کھال خشک اور بال سفید ہوجاتے ہیں، عضلات میں کا ایک حصہ کھودیتے ہیں اور اس کی قوت کم ہوجاتی ہے، اور ایک قسم کا مادہ کیلشیم ختم ہونے کی وجہ سے

ہڈیاں کمزور ہوجاتی ہیں اور ان کے ٹوٹنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، آنکھوں میں مروت کم ہوجاتی ہے نظام ہضم یادداشت اور قوت سماعت بھی متاثر ہوتی ہے جسم کا دفاعی نظام کمزور اور ورم آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ نیند کم آتی ہے اور پٹھوں میں اس کا اثر آتا ہے جس کی وجہ سے حرکت کم ہوجاتی ہے، کئی اور دیگر تبدیلیاں جسم کو لاحق ہوتی ہیں جن کا تعلق علم طب سے ہے۔

شیخوخہ اور مسن:

اہل لغت مرحلہ شیخوخہ کی تعیین میں مختلف افکار وعقائد کے حامل ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ اس کا آغاز ۵۰ کے بعد ہوتا ہے۔[۷] طریحی نے مجمع البحرین میں ذکر کیا ہے کہ شیخ وہ ہے جس کی عمر ۶۰ یا ۴۰ سال سے زیادہ ہو۔[۸] اور قرطبی کے نزدیک شیخ وہ ہے جس کی عمر ۴۰ سال سے زیادہ ہو[۹] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مرحلہ شیخوخہ کا آغاز ۶۰ کے بعد ہوتا ہے۔[۱۰]

انسانی احوال کی تبدیلی میں مضمر الٰہی حکمت:

حوادث اور فطری امور تشریعی اوامر کی طرح حکمت خداوندی اور تدبیر الٰہی کے تابع ہیں مرحلہ شیخوخہ کے اندر خاص مصالح مضمر ہیں جن کی طرف دینی نصوص میں اشارہ کیا گیا ہے، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں؟

معرفت خالق اور اس پر ایمان لانے کے مواقع:

انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے مرتبہ کمال کو پہنچنا ہے، عبادت معرفت معبود کے بغیر مستحقق نہیں ہوسکتی، معرفت ہی انسان کے اندر خشوع وخضوع احساس بندگی اور عبودیت پیدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آفاق اور خود انسان کے اندر بے شمار آیات اور نشانیاں رکھدی ہیں جن سے اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔[۱۱] اب ہم دکھائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔ اور ان آیات میں سے ایک انسان کے اندر ہونے والی تبدیلی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ الله الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفا وشیبة یخلق مایشاء وهو العلیم القدیر۔[۱۲] اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور پھر دیگا، زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہی سب کچھ جانتا کر سکتا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”ویکلم الناس فی المهد وکهلا ومن الصالحین“[۱۳] اور باتیں کرے گا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہوگا اور جبکہ پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے“ سے مراد عقیدہ نصاریٰ ”الوہیت عیسیٰ علیہ السلام“ کی تردید ہے اس لئے کہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر ہونے والی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ اللہ کی صفت کے منافی ہے، انسان کے اندر ہونے والی تبدیلی اس کے اللہ کا بندہ اور مخلوق ہونے کی دلیل ہے، شیخ طوسی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی ذات میں غور کیا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اولاً اس کا کوئی وجود نہ تھا محض ایک قطرہ تھا پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی پھر ہڈی، پھر جنین، پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی، پھر ایک مدت تک شکم مادر میں رہا اس کے بعد اس کی ولادت ہوئی پھر عمر کی منزلیں طے کرتا ہوا شیخوخہ اور هرم کو پہنچا اور پھر موت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا[۱۴] انسان کے اندر ہونے والی یہ تغیر وتبدیلی اسے یقین دلاتی ہے کہ کوئی ایک قادر مطلق ہے جس کی مشیت سے ہی ایسا ہوتا ہے، اس طرح انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

بلاشبہ شیخوخہ ہر طرح کی رکاوٹ جوائز اور موانع کو دور کر کے انسان کو حقیقت کے ادراک کا ایک بہترین موقع عنایت کرتا ہے قدرت کا احساس معرفت حق اور اس کی طرف متوجہ ہونے میں ایک اہم رکاوٹ ہے کیونکہ انسان کو جب استعداد اور قدرت حاصل ہوتی ہے

تو وہ اپنی کمزوری اور عاجزی سے غفلت برتتا ہے اور وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ارادت خالق کے تحت ہے بلکہ بسا اوقات وہ سرکش ہوجاتا ہے، ارشاد ربانی ہے ''ان الانسان لیطغیٰ ان رآہ الستغنیٰ ۱۵؎'' ''آدمی سرچڑھتا ہے اس لئے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا'' لیکن جب اس کو اپنی زندگی کے اس مرحلہ میں اپنی کمزوری وعاجزی کا شدت سے احساس ہوتا ہے تو خواب غفلت سے بیدار ہوکر حقیقت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، ملا ھادی سبزواری جن کا شمار حکماء مدرسہ اہل بیت میں ہوتا ہے اپنی کتاب شرح الاسماء الحسنٰی ۱۶؎ میں لکھتے ہیں باوجودیکہ انسان تمام حالات اور عمر کے تمام مراحل میں رزق کا محتاج اور رحم کا مستحق ہوتا ہے مگر اس کی ضرورت کمزور ترین حالات حالتِ طفولیت اور حالتِ ذبول میں خاص طور پر نمایاں اور ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کا وہم تخیل اور خیال واعب بھی اس کی عاجزی اور بے مائگی کا اعتراف کرلیتے ہیں۔

بعث اور آخرت پر ایمان:

قرآن نے حیات انسانی کے اندر ہونے والی فطری تغیر وتبدیلی کو جن کا مشاہدہ ہر انسان اپنی زندگی میں کرتا ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل وحجت کے طور پر پیش کیا ہے، چنانچہ ایمان بالبعث اور آخرت کے متعلق شکوک وشبہات کو دور کرنا تقدیر شیخوخہ کے الٰہی حکمتوں اور رازوں میں سے ایک راز اور ایک حکمت ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''یایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام مانشاء الی اجل مسمیٰ ثم نخرجکم طفلاً ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفیٰ ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا'' ۱۷؎

'' اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنے ہوئی سے اور بدون نقشے بنی ہوئی سے اس واسطے کے تم کو کھولکر سنادیں اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت معین

تک پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کے پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمی عمر تک تا کہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔"

مکارم اخلاق سے متصف ہونے اور ابدی زندگی کے لئے تیار ہونے کا ایک موقع:

مرحلہ شیخوخہ حیات انسانی کا ایک اہم مرحلہ ہے بایں طور کے ابدی زندگی کے متعلق وجہ فکر کی تحدید و تعیین میں نمایاں رول ادا کرتا ہے اس مختصر موقع سے صحیح فائدہ اٹھانے میں انسان کی غفلت بہت بڑے خسارے بلکہ شقاوت ابدی کا موجب ہوتی ہے، اس غرض سے اللہ تعالی نے خود انسان کی زندگی میں بہت ساری نشانیاں رکھ دی جو اسے تنبیہ کرتی رہتی ہیں کہ وہ غفلت نہ برتے، بذات خود شیخوخہ کے آثار مثلاً داڑھی اور سر کے بال کا سفید ہونا اور جسمانی قویٰ کا کمزور ہوجانا ان نشانیوں میں سے ہے جو انسان کو احساس دلاتی ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے اسے دنیاوی زندگی میں مشغول رہ کر ابدی زندگی کے لئے تیاری سے غفلت نہیں برتنا چاہئے، امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے، اپنے آپ کو عیوب سے بچائے اور درازی عمر کے ساتھ نیکی میں اضافہ کرتا رہے" ۱۸؎ وہ عمر رسیدہ حضرات جو حیات بعد الموت اور ثواب وعقاب پر ایمان رکھتے ہیں انہیں مرحلہ شیخوخہ میں آنے والی زندگی کے متعلق فکر کرنی چاہئے سمو معنوی اور تکامل روحی سے متصف اور فضائل حمیدہ سے مزین ہوکر الٰہی معارف کی تکمیل فرائض اسلامیہ کی ادائیگی کے ذریعہ ابدی زندگی کی سعادت وکامرانی کے لئے تیاری کرنی چاہئے، یہ مرحلے زندگی اپنے آپ کو ایک سنہرا موقع عنایت کرتا ہے، اس مرحلہ میں حیوانی نزوات وخواہشات اور معاصی پر آمادہ کرنے والی خصلتیں اور طبیعتیں کمزور ہوجاتی ہیں، مرد مومن شیخوخہ سے خائف نہیں ہوتا ہے بلکہ خوش دلی سے اس کا استقبال کرتا ہے، اسے یہ اچھے اخلاق سے متصف ہونے تقویٰ، عمل صالح اور موت کے لئے تیاری کرنے کا سنہرا موقع عنایت کرتا ہے، طیالسی سے مروی ہے کہ میں نے ابو

عبدالسلام علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھاپہ مومن تک تیز رفتاری سے پہنچتا ہے اور یہ مومن کے لئے دنیا میں وقار اور قیامت کے روز نور ساطع ہے، اللہ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو یہ وقار بخشا تو انہوں نے کہا کہ اے میرے رب یہ کیا ہے ارشاد ہوا کہ یہ وقار ہے، اس وقت انہوں نے کہا اے میرے رب میرے وقار میں اضافہ فرما ۔۱۹ موت کے لئے مستعد اور تیار ہونیکا مطلب اضمحلال، یاس اور ناامیدی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مکارم اخلاق اور سمو معنوی سے متصف ہونا اور فرائض اسلامیہ کو بحسن وخوبی ادا کرنا ہے امیر المومنین علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ موت کے لئے تیار ہونے سے کیا مراد ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ فرائض کی ادائیگی، محارم سے اجتناب اور اچھے اخلاق سے متصف ہونا ہے، پھر اس کے بعد کوئی فکر نہیں کہ موت کب آئے ۔۲۰ یہ ایک خاص مرحلہ میں جسم انسان کی نمو وترقی کے رک جانے اور انسان کو تکالیف ومصائب سے دوچار ہونے میں جو اللہ کی حکمت مضمر ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام صادق علیہ السلام نے مفضل بن عمر سے فرمایا" جسم انسان کی ترقی ایک مرحلہ میں پہنچ کر رک جاتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوجائے گا تو جسم عظیم اور ثقیل ہوجائے گا اس کے لئے چلنا پھرنا یہاں تک کہ حرکت کرنا مشکل ترین ہوجائے گا اس کے اندر مصنوعات لطیفہ سے بے رغبتی پیدا ہوجائے گی اگر انسان کو مصیبت اور تکلیف، پہنچے تو پھر کیونکر وہ خواہش ومنکرات سے باز آئے، اللہ کے حضور روئے گڑگڑائے اور لوگوں کے لئے اس کی اندر عطف ورحم کا جذبہ پیدا ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کے جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو روتا گڑگڑاتا ہے اور اپنے رب سے لولگاتا ہے۔

شیخوخہ کے شرعی احکام:

شرعی احکام عدل وحکمت پر مبنی ہیں، انکے اندر انسان کی قدرت اور جسمانی وعقلی استطاعت کا خیال رکھا گیا ہے تاکہ مشقت وحرج کے موجب نہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" ۲۱ اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم

پر دشواری'' وہ شرعی احکام جن کو ادا کرنے کے لئے جسمانی طاقت قوت کی ضرورت ہوتی ہے عمر رسیدہ اشخاص کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہیں ان احکام کی عدم ادائیگی سے وہ اس ثواب واجر سے محروم نہیں ہوتے جو اللہ انہیں ادا کرنے والوں کو عطا فرماتا ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انکو اتنا ہی ثواب عطا فرماتا ہے جتنا کہ انہیں شیخوخہ سے قبل ان احکام کو ادا کرنے پر عطا کرتا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب مسلم درازی عمر سے کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں اتنی ہی نیکیاں درج کرے جتنا کہ وہ ایام جوانی میں کرتا تھا اور ایسے ہی جب بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں اتنی ہی نیکیاں لکھے جتنا کہ وہ تندرست اور صحت مند ہونے پر کرتا تھا ۲۲ شیخوخہ کیوجہ سے ساقط ہونے والے بعض شرعی احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

نماز جمعہ:

علامہ حلی قدس سرہ نے نہایۃ الاحکام میں تحریر کیا ہے کہ نماز جمعہ میں حاضر ہونے کے وجوب کے لئے دس شرطیں ہیں ۲۳

۱۔ بلوغ ۲۔ عقل ۳۔ نر ۴۔ آزادی ۵۔ مریض نہ ہو ۶۔ اندھا نہ ہو ۷۔ لنگڑا نہ ہو ۸۔ شیخوخہ'' منتہی میں ہے کہ شیخ کبیر پر نماز جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں ہے اور یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے اور بالغ میں اس کو عجز اور شدید مشقت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے بعض اصحاب نے اس کی تعبیر ہرم یعنی شیخ فانی سے کی ہے جیسا کہ شرائع میں مذکور ہے جبکہ بعض نے اس کی تعبیر مومن کبیر سے کی ہے جیسا کہ ارشاد میں ہے، روض میں ہے کہ بشرطیکہ وہ مسجد تک جانے سے عاجز ہو یا پھر اسے وہاں تک جانے میں اتنی شدید مشقت ہو جس کا انسان عادتاً متحمل نہیں ہوتا، لیکن یہ سارے قیود وشرائط بلا دلیل وحجت ہیں اس لئے کہ نصوص مطلق ہیں اور مترتب ہیں صدق کبیر پر جیسا کہ صحیح زرارہ میں ہے یا شیخوخہ کی اضافت کے

ساتھ جیسا کہ خطبے کی روایت میں ہے۔ ۴۴؎

روزہ:

شیخ جعفر کاشف الغطاء فرماتے ہیں کہ روزہ واجب ہونے کی ساتویں شرط یہ ہے کہ عمر رسیدہ نہ ہو، مرض عطاش نہ ہو اور قلیل اللبن دودھ پلانے والی عورت نہ ہو ان لوگوں پر روزہ واجب نہیں ہوتا ہے ۴۵؎ شہید ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عمر رسیدہ چاہے مرد ہو یا عورت جب روزہ رکھنے سے عاجز ہو یا اسے اس میں شدید مشقت ہوتی ہو تو ہر دن کے بدلے ایک مد طعام دے گا اور اس پر قضا نہیں ہے ۴۶؎ اور علامہ حلی قدس سرہ نے تحریر کیا ہے کہ مفید، سید مرتضی اور ہمارے اکثر علماء کا قول ہے کہ جو شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا، شیخ صحیح میں حلبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حلبی نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے عمر رسیدہ کے بارے میں جو رمضان میں روزہ رکھنے سے عاجز ہو دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ہر دن کے بدلے اتنا صدقہ کرے جو ایک مسکین کے کھانے کیلئے کافی ہو، اور صحیح میں محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ شیخ کبیر اور اس شخص کیلئے جسے مرض عطاش لاحق ہو ماہ رمضان میں افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک ہر دن کے بدلے ایک مد طعام صدقہ کرے اور ان پر قضا نہیں ہے، اگر وہ صدقہ دینے پر قادر نہ ہوں تو ان پر صدقہ بھی نہیں ہے۔ ۴۷؎

جہاد:

محقق سبزواری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وجوب جہاد کے لئے شرط ہے کہ نہ ہو اور شیخ ہرم نہ ہو۔ ۴۸؎

حرمت نظر:

صاحب الجواہر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عدم جواز نظر کے حکم سے اس چھوٹی بچی کو

مستثنی کرنا ضروری ہے جو مظنہ شہوۃ نہ ہو اور ایسے ہی اس عمر رسیدہ عورت کو جسے درازی عمر کی وجہ سے دیکھنے میں لذت اور فتنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور جامع المقاصد میں ہے کہ شیخ کبیر کے لئے جواز نظر میں احتمال ہے۔۹۹

دوران حج بعض اعمال کے ترتیب کا سقوط:

علامہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ شیخ قدس سرہ نے نھایہ اور مبسوط میں تحریر کیا کہ متمتع جس حج میں کوئی گڑبڑی کردے تو اس کے لئے طواف وسعی جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ منیٰ جائے اور موقفین میں وقوف کرے الا یہ کہ شیخ کبیر ہو جو مکہ واپس ہونے پر قادر نہ ہو یا بیمار ہو یا ایسی عورت ہو جسے حیض کا اندیشہ ہو ان کے لئے طواف حج اور سعی میں کوئی حرج نہیں ۱۰۰

مسن کے حقوق:

حق ان اجتماعی مفاہیم میں سے ہے جو محتاج تعریف نہیں البتہ اس کے منشاء کے متعلق بحث مناسب ہوگی، کیا یہ صرف اجتماعی قبولیت ہے یا اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی مدد اور تاکید ضروری ہے، یا منشا حق فطرت پر مبنی الٰہی احکام و اوامر ہیں، اس کے اندر عرف اجتماعی کی رعایت ہوگی یا نہیں؟ بلاشبہ مدرسہ اہل بیت کی نقطے نظر سے منشا حق عدل وحکمت پر مبنی الٰہی احکام و اوامر میں جو عوام کی موافقت یا حکومت کی حمایت و تائید کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ولو اتبع الحق اهوائهم لفسدت السموات والارض و من فيهن بل اتينهم بذكرهم فهم عن ذكرهم معرضون۔۱۰۱

"اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے"

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے" فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس

علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ''۴۲؎

''سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو یہی ہے دین سیدھا ولیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔'' اس طرح مسن کے حقوق کا منشا عمر رسیدہ اشخاص کے متعلق ان الٰہی احکام و اوامر کے مجموعے کا نام ہے جن سے عمر رسیدہ اشخاص کے صلاح کے لئے قوانین کا استنباط ہوتا ہے۔ اسلام میں عمر رسیدہ اشخاص کے حقوق کی دو اہم خاصیتیں ہیں اول الذکر یہ کہ ان کا تعلق تشریع الٰہی سے ہے اور دوسری یہ کہ وہ فطرت انسان کے مطابق ہیں، اسلام میں مسن کے حقوق کی تلخیص دو بنیادی اور اہم حقوق میں کی جاسکتی ہے، ان میں سے ایک حق تکریم وتوقیر ہے اور دوسرا حق امان ہے۔ ذیل میں اس کی تشریح مصادر شرعیہ کے ساتھ درج کرتا ہوں،

حق تکریم وتوقیر:

حق تکریم اسلام میں عمر رسیدہ اشخاص کے مسلمہ حقوق میں سے ہے جس کی صراحت مدرسہ اہل بیت نے کی ہے حتیٰ کہ بعض فقہا نے اسکو امامیہ کے جملہ اصول ومعتقدات میں شمار کیا ہے، شیخ صدوق قدس سرہ فرماتے ہیں کہ'' امامیہ کے نزدیک اللہ کی وحدانیت کا اقرار... عمر رسیدہ شخص کا اکرام، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت دین کے اہم رکن ہیں ۴۳؎ اس کی صراحت وضاحت بہت ساری حدیثوں میں موجود ہے جن میں سے بعض یہ ہیں جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''عمر رسیدہ مسلم کا اکرام واجلال اللہ کے اجلال کی طرح ہے ۴۴؎ رسول مقبول صل اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ' وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے ۴۵؎ اور امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''جس نے عمر رسیدہ شخص کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے گا ۴۶؎ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رسیدہ شخص اپنی فیملی میں ویسے ہی ہے

جیسا کہ نبی اپنی امت میں رسول مقبولؐ عمر رسیدہ کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے، مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عمر رسیدہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اصحاب سے اسے جگہ دینے میں معمولی تاخیر ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ" وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت نہ کرے ۷؂ پیغمبر اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے متعلق مذکور ہے کہ وہ حلم وحیاء اور صدق وامانت کی مجلس ہوتی تھی جس کے اندر شور وغل اور ہتک عزت کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اہل مجلس کے اندر حسن تعلق خدا ترسی اور تواضع پائی جاتی تھی، وہ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے ۸؂ قرآن کریم میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ اولاد کو اپنے سن رسیدہ والدین کی توقیر وتکریم کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وقضیٰ ربک الاتعبدوا الاایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما اوکلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنہر ھما وقل لھما قولا کریما ۔واخفض لھما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمھما کماربیانی صغیرا۹؂

"اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک انکو اور کہہ ان سے بات ادب کی اور جھکادے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا"

تکریم سے مقصود تکریم صوری نہیں بلکہ حسن تعلق ہے جس کی وضاحت امام زین العابدین علیہ السلام کے اس قول سے ہوئی ہے۔ جہاں تک عمر رسیدہ شخص کے حق کا تعلق ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عمر اور اسلام کا خیال رکھا جائے اگر اسلام میں تقدیم کے سبب اسے فضیلت حاصل ہے تو اس کے تقدم وسبقت کا لحاظ کیا جائے، اس سے لڑا اور جھگڑا نہ جائے اگر اس سے کوئی جہالت صادر ہو تو تحمل وبردباری سے کام لیا جائے، یہ خیال رہے کہ حق

سن حق اسلام کی طرح ہے ۰ ۳۹ے اس حدیث اور اس موضوع سے متعلق دیگر احادیث کی روشنی میں تکریم کے بعض مندرجہ ذیل علمی مصادیق و آثار کی تحدید و تعیین ہوتی ہے۔

حق تقدم:

انفرادی اور اجتماعی امور میں عمر رسیدہ شخص کے حق تقدم کی رعایت واجب ہے چلنے کسی مکان میں داخل ہونے کھانے اور اس طرح کے دیگر شخصی معاملات میں اسے دوسروں پر تقدم حاصل ہے جہاں تک اجتماعی تعلق کا سوال ہے تو اجتماعی امور کے انجام دینے میں مسن کو غیر مسن پر مقدم کیا جائے چنانچہ جب مسن اور غیر مسن دونوں علم اور دیگر فضائل میں برابر ہوں تو نماز کی امامت مسن کرے، علامہ حلی قدس سرہ فرماتے ہیں جب وہ دونوں ہجرت میں برابر ہوں بایں طور کہ دونوں نے ساتھ ہجرت کی ہو یا دونوں نے ہجرت نہ کی ہو، مسن کو مالک اور ابوعبیدہ کی حدیث کی روشنی میں مقدم کیا جائے گا اس لئے کہ عمر رسیدہ کو سلام میں سبقت حاصل ہے اور وہ توقیر واجلال کا زیادہ مستحق ہے ۱ے شہید اول نے فرمایا کہ اگر مقتدیوں کے درمیان مسئلہ امامت پر اختلاف ہو تو ہر فریق اپنے منتخب امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ دونوں فریق ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں، اور امامت کے لئے اسے جو قرآن کی قرأت احسن طریقے سے کرتا ہو حق تقدم حاصل ہوگا پھر اس کو جو زیادہ فقیہ ہو پھر وہ جو اشرف النسب ہو جیسا کہ مبسوط میں مذکور ہے اور مبسوط ہی میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ شہید اول نے فرمایا کہ ہاشمی کو علی الاطلاق فوقیت وتقدیم حاصل ہے پھر اس کو جسے ہجرت میں تقدم حاصل ہو پھر عمر رسیدہ کو ۲ے اور جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ قوم کی امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہو اگر اس میں برابر ہوں تو پھر وہ جو قرآن کی قرأت احسن طریقے سے کرتا ہو پھر وہ جو زیادہ فقیہ ہو پھر عمر رسیدہ ۳ے

حق برو احسان:

چھوٹوں سے بڑوں کے ساتھ برو احسان کا تعلق مطلوب ہے بلکہ اسلام اسے چھوٹوں

پر عمر رسیدہ شخص کا حق قرار دیتا ہے گرچہ یہ حق اولاً وبالذات والدین کا اپنی اولاد پر ہے مگر عمر رسیدہ اشخاص سے اس کا گہرا تعلق ہے اس لئے کہ شاذ و نادر ہی ایسا کوئی عمر رسیدہ شخص ہوگا جو صاحب اولاد نہ ہو، موجودہ سوسائٹی میں عمر رسیدہ اشخاص کی پریشانیوں و مشکلات کی اساس وبنیاد برے اخلاق اور ان مفاسد کے پھیلنے اور عام ہونے کی وجہ سے جو اختلاط نسب باہمی اعتماد وبھروسے کو ختم کرنے کے موجب ہوتے ہیں، خاندان کے افراد اور خاص طور پر باپ اور بیٹے کے آپسی تعلقات کا خراب ہونا ہے، عصر حاضر میں عمر رسیدہ اشخاص کی بنیادی مشکل نفسیاتی الجھنیں اور پریشانیاں ہیں جو دن بدن بڑھتی جارہی ہیں عمر رسیدہ اشخاص بکثرت نفسیاتی امراض میں مبتلا ہورہے ہیں، وہ اپنے فطری جذبات کو دبانے اور گھٹن کا شکار ہورہے ہیں مغربی سوسائٹی میں ان کے درمیان خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہے ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں کے لوگوں کی زندگیاں دشوار اور تاریک ہوجاتی ہیں عمر رسیدہ عورتیں اپنی اولاد سے معنوی اور مادی مدد نہ ملنے کی وجہ سے تنگی محسوس کرتی ہیں، عمر رسیدہ اشخاص کو خواہ وہ زہوں یا مادہ تکلیف دہ حالات کی وجہ سے ذہنی بیماریاں لاحق ہورہی ہیں، سوشل ویلفیئر ادارے بجائے ان کی پریشانیوں تکالیف اور مسائل کو دور کرنے کے ان کے نفسیاتی مشکلات اور ذہنی امراض میں اضافہ کے باعث ہورہے ہیں، سوشل اسکالر، تاوسند، عمر رسیدہ اشخاص کے لئے برطانیہ میں تعمیر شدہ مکانات اور دیگر موسسات میں رہنے والوں کے حالات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے ”اور اس طرح الگ تھلگ ہونے کا احساس ان میں بڑھ جاتا ہے، اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے اور سابقہ دلچسپیوں میں حصہ لینے کے مواقع نہ ملنے کی وجہ سے وہ گھٹن کا شکار ہوجاتے ہیں یاس وناامیدی میں مبتلا ہوجاتے ہیں ان کے اندر سستی کاہلی اور بے زاری پیدا ہوجاتی ہے، ان کے اندر سے پیش قدمی کی خواہش جاتی رہتی ہے، تحسین وتزئین سے بیر غبتی برتتے ہیں اور خواب وخیال کی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں،، فلیر مان امریکہ میں ان مشکلات اور مسائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عمر رسیدہ اشخاص کے لئے تعمیر شدہ مکانات اور اس

طرح کی دیگر موسسات میں رہنے والے اشخاص کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر کے اندر گھٹن، ناامیدی اور بے رغبتی پائی جاتی ہے وہ اپنے کو حقیر اور کمتر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ سے نفرت کرتے ہیں، ان کے اندر شیخوخہ اور موت کے قرب کا احساس شدید ہوجاتا ہے۔

اسلام اولاد کو والدین کے حقوق کا خیال رکھنے اور اسے بحسن وخوبی ادا کرنے کی سخت تاکید کرتا ہے، خاص طور پر جب وہ عمر رسیدہ ہوں، اسلام نے اللہ کے حق عبودیت کے بعد اسکو سب سے بڑا اور اہم حق قرار دیا ہے، اس کا مقصد عمر رسیدہ اشخاص کے مشکلات کا ایک ایسا انسانی حل پیش کرنا ہے جو انسان کی فطرت اور روحانی تقاضوں کے عین مطابق ہو اس لئے کہ عمر رسیدہ اشخاص کو مادی دشواریوں سے زیادہ اہم نفسیاتی پریشانیاں ہیں، ان کی پریشانیاں محض ان کی مادی ضروریات کو ان کے لئے الگ گھر کی تعمیر اور حکومتی وسائل واسباب کے ذریعے پورا کرنے سے دور نہیں ہوسکتیں، انسان کو خاندان کے افراد کے ہاتھوں اپنی ضروریات کو تکمیل پانے کی صورت میں جو نفسیاتی سکون اور طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتی اسلام نے خاندانی تعلقات وروابط کو اس قدر وسعت دی ہے کہ وہ پوری سوسائٹی کو شامل ہوجاتا ہے جس کے اندر مسلمان ایک خاندان کے افراد کی طرح محسوس ہوتے ہیں جن کے درمیان ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح باہمی الفت ومحبت ہوتی ہے، امام زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے زہری سے فرمایا کہ اے زہری اس میں کیا حرج ہے کہ تم تمام مسلمانوں کو اپنے گھر کے افراد کی طرح سمجھو، بڑوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسا کہ تم اپنے والد کے ساتھ پیش آتے ہو اور چھوٹوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتے ہو ہم یہ بعض قرآنی آیات اور احادیث کو نقل کیا جاتا ہے جن میں والدین کے حقوق کی اہمیت کا بیان ہے، قرآنی آیات میں اس کی صراحت ہے کہ حق والدین حق اللہ کے بعد سب سے بڑا حق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

''وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا ۵؎ ''اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے ''ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن ووفصالہ فی عامین ان شکر لی ولوالدیک الی المصیر'' ۶؎ اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اسکے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔'' والدین کے حقوق کی اہمیت اور ان کی فرمانبرداری کے وجوب کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت سے متعدد روایات مروی ہیں ابو ولا دحناط سے منقول ہے کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ عزوجل کے قول'' وبالوالدین احسانا ''کے متعلق دریافت کیا کہ اس احسان کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ احسن طریقے سے رہو۔ اور جہاں تک اللہ عزوجل کے اس قول اما یبلغن عند ک الکبر احدھما اوکلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھر ھما ''کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ تمہیں پریشان کریں تم انہیں نہ جھڑکو یہاں تک کہ تم اف اور ہوں بھی نہ کہو، یہ ادنٰی اذی ہے جسے اللہ نے حرام کردیا ہے ۷؎ کتب فقہ میں اس کے مختلف اور متعدد فروعی مسائل درج کئے گئے ہیں، فقہائے امامیہ میں سے شہید اول نے ان کو مندرجہ ذیل دس حقوق میں جمع کیا ہے۔

۱۔ سفر مباح اور سفر مندوب والدین کی اجازت کے بغیر حرام ہے، کہا گیا ہے کہ تجارت اور طلب علم کے لئے سفر کرنا جائز ہے بشرطیکہ والدین کے ساتھ شہر میں رہ کر ان کے لئے مواقع نہ ہوں۔

۲۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ والدین کی اطاعت ہر فعل میں حتیٰ کہ مشتبہ امور میں بھی واجب ہے، اگر وہ اولاد کو اپنے ساتھ ایسے کھانے کو تناول کرنے کا حکم دیں جو اس کے خیال

میں مشتبہ ہے وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا اس لئے کہ والدین کی اطاعت واجب ہے اور ترک شبہ مستحب۔

۳۔ اگر وہ اس کو کوئی کام کرنے کو کہیں اور نماز کا وقت ہو چکا ہو تو وہ نماز کو موخر کرے اور انکا حکم بجالائے۔

۴۔ کیا ان کو با جماعت نماز ادا کرنے سے منع کرنے کا حق ہے، اقرب یہی ہے کہ والدین کو علی الاطلاق یہ حق حاصل نہیں۔

۵۔ والدین کو اولاد کو جہاد سے روکنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک باحیات ہے اس نے کہا کہ دونوں باحیات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم عند اللہ ماجور ہونا چاہتے ہو اس نے کہا کہ ہاں اے اللہ کے رسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ واپس اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

۶۔ اقرب یہی ہے کہ ان کو فرض کفایہ سے منع کرنے کا حق ہے جب کہ اس کا علم یا گمان ہو کہ دوسرا اس کو ادا کر رہا ہے۔

۷۔ بعض فقہا کا قول ہے کہ اگر وہ اس کو دوران نماز آواز دیں تو وہ نماز منقطع کردے اور ان کو جواب دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو نماز پڑھ رہا تھا، اے جریج، اسنے کہا اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز، ماں نے پھر آواز دی، اے جریج، پھر اس نے کہا اللھم امی وصلاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جریج فقیہ ہوتا تو اسے ضرور معلوم ہوتا کہ ماں کو جواب دینا اس کی نماز سے افضل ہے۔

۸۔ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دے

۹۔ باپ کی اجازت کے بغیر مندوب روزہ نہ رکھے

۱۰۔ والد کی اجازت کے بغیر دل میں وہ عہد نہ کرے الا یہ کہ انکا تعلق کسی واجب فعل یا ترک حرام سے ہو۔

والدین کی فرمانبرداری ان کے مسلمان ہونے پر موقوف نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے" ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان الشکر لی ولوالدیک الی المصیر "۸ے

" اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو انکا کہنا مت مان اور ساتھ دے انکا دنیا میں دستور کے موافق"

والدین کے جملہ حقوق میں سے جس کا اسلام تاکید کرتا ہے اولاد پر والدین کا حق نفقہ ہے، صاحب جواہر فرماتے ہیں کہ" اصول یعنی باپ دادا اور دادی کا نفقہ علی الاطلاق اولاد پر واجب ہے چاہے وہ فاسق یا کافر عی کیوں نہ ہوں، خاص طور پر والدین کے ساتھ ان کے کفر کے باوجود مساحبت بالمعروف کا حکم دیا گیا ہے۔۹ے

جو کچھ میں نے ذکر کیا اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام عمر رسیدہ اشخاص کی دشواریوں اور مشکلات کو حل کرنے کی ذمہ داری صرف حکومت وقت پر نہیں ڈالتا بلکہ ان کے اوران کے خاندان کے افراد کے درمیان انسانی اورفطری تعلقات کو استوار کرنے کی تاکید کرتا ہے، مجتمع اسلامی عمر رسیدہ اشخاص کے حقوق تو محض حکومت کے قوانین کے تحت ادا نہیں کرتا بلکہ شرعی احکام کی تعمیل بھی اس کے پیش نظر ہوتی ہے جس میں اس کے احساسات وجذبات پورے طریقے سے شامل ہوتے ہیں۔

حق نصیحت اور ارشاد:

موجودہ سوسائٹی میں نوجوانوں کو نفسیاتی بیماریاں لاحق ہونے تشدد کو اپنانے اور نشہ

اورشراب کو استعمال کرنے کی بنیادی وجہ خاندانی تعلقات کا اچھا نہ ہونا ہے جس کی وجہ سے بڑوں کے تجربوں سے استفادہ کرنے کے مواقع میسر نہیں آتے ، جبکہ ان کے مشاہدات وتجربات نوجوانوں کو یاس وناامیدی سے بچنے تشدد کو نہ اپنانے صحیح اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے اور اچھے اخلاق کو اپنانے میں مدد ومعاون ہوتے ہیں، احادیث میں بڑوں کے مشوروں اور تجربوں سے مستفید ہونے کی تاکید کی گئی ہے، امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ تم تجربہ کار لوگوں کی صحبت اختیار کرو اس سے بہت سی اہم اور قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۵۰ امام نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی کی رائے اسکے تجربے کے بقدر ہوتی ہے۔ ۵۱

حق امان:

یہ حق عمر رسیدہ اشخاص کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مسن اور غیر مسن دونوں کے درمیان مشترکہ ہے لیکن حالت شیخوخہ میں انسان کے فقر ومحتاجی کے مدنظر ان کے متعلق اس حق کی خاص تاکید کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ضروریات زندگی مثلاً کھانا، کپڑا اور مکان کو اس طرح سے پورا کیا جائے کہ وہ سکون کی زندگی گزارسکیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے جن اہم اور بنیادی اصولوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان میں سے ایک مشترکہ ذمہ داری ہے اور دوسرا سوشل سیکورٹی۔

مشترکہ ذمہ داری:

ہر مسلم اپنی قدرت کے بقدر اپنے متعلقین کی معیشت کا انتظام اور ان کی زندگی کو حفاظت فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے، ابوعبد اللہ سے مروی ہے کہ "ایک مسلم کا دوسرے مسلم پر یہ حق ہے کہ وہ شکم سیر نہ ہو جبکہ اس کا بھائی بھوکا ہو، وہ عمدہ لباس زیب تن نہ کرے جبکہ اس کے بھائی کے پاس ستر چھپانے کو کپڑے نہ ہوں ۵۲ اور امام محمد باقر علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ" وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو شکم سیر ہو کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی خالی پیٹ سوئے۔ ۵۳ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب

کوئی مسلم کسی مسلم سے اپنی کسی ایسی حاجت کے متعلق سوال کرے جسے پورا کرنے پر وہ قادر ہو لیکن اس کے باوجود وہ اسے پورا نہ کرے تو قیامت کے روز وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور کہا جائے گا کہ خائن ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۴ھ

سوشل سیکورٹی:

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی معیشیت کو بہتر بنائے اور ان کی زندگی کو حفاظت فراہم کرے، امام علی علیہ السلام نے اپنے ایک والی کو وصیت کی کہ "تم مسکین ومحتاج کا خیال رکھو، ان کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہو بیت المال سے ان کی مدد کرو، ان کے ساتھ حقارت آمیز سلوک نہ کرو ۵ھ محمد بن ابوحمزہ روایت کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک عمر رسیدہ سائل امیر المومنین کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین یہ ایک نصرانی ہے، امیر المومنین نے فرمایا کہ تم اس سے خدمت لیتے رہے یہاں تک کہ جب وہ کمزور ہوگیا تو تم نے اسکو چھوڑ دیا تم بیت المال سے اس پر خرچ کرو۔ ۶ھ

یہ روایت صراحتہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخدوم کی ذمہ داری ہے کہ خادم کے کمزور اور معذور ہونے کے بعد اس کے اخراجات برداشت کرے، اس طرح اسلامی حکومت عمر رسیدہ اشخاص کی ضروریات کو پورا کرنے کی مکلّف ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلام نے عمر رسیدہ اشخاص کے دو بنیادی حقوق کی خاص تاکید کی ہے ان میں سے ایک حق تکریم وتوقیر اور دوسرا حق امان ہے، ان دونوں حقوق کی ادائیگی سے عمر رسیدہ اشخاص کے مادی ونفسیاتی ضروریات کی تکمیل بطریقہ احسن ہوجاتی ہے۔

☆☆☆☆

حوالے:

۱۔ القاموس المحیط : ۳۲۵

۲۔ المصباح المنیر : ۳۲۹

۳۔ القاموس ۲: ۱۲۴

۴۔ الخصال : ۹۸

۵۔ المصباح المنیر :۳۲۸

۶۔ مجمع البحرین ۱: ۵۶۸

۷۔ تاج العروس ج ۲

۸۔ مجمع البحرین ۱۔: ۵۶۹

۹۔ الجامع الاحکام القرآن ۱۵: ۳۲

۱۰۔ جامع العلوم ۲: ۳۲۵

۱۱۔ فصلت: ۵۳

۱۲۔ الروم: ۵۴

۱۳۔ آل عمران: ۲۶

۱۴۔ الاقتصاد : ۱۶

۱۵۔ العلق: ۶۔۷

۱۶۔ شرح الاسماء الحسنی ۱: ۲۵۱

۱۷۔ حج: ۵

۱۸۔ شرح نہج البلاغہ الابن ابی الحدید ۲۰ ۲۷۸

۱۹۔ بحار الانوار ۷۵: ۱۳۸

۲۰۔ عیون اخبار الرضا ۱: ۳۹۷

۲۱۔بحار الانوار ۳: ۸۸

۲۲۔البقرۃ: ۱۸۵

۲۳۔بحار الانوار ۴۷: ۱۸۷

۲۴۔نہایۃ الاحکام ۲: ۴۱

۲۵۔الحدائق الناضرۃ ۱۰: ۱۵۱

۲۶۔کشف الغطاء: ۳۱۸

۲۷۔الروضۃ البہیۃ ۲: ۱۲۷

۲۸۔منتہی المطلب ۲: ۲۱۸

۲۹۔کفایۃ الاحکام: ۴۷

۳۰۔مختلف الشیعۃ: ۲۹۲

۳۱۔المومنون: ۷۱

۳۲۔الروم: ۳۰

۳۳۔بحار الانوار ۱۰: ۴۰۵

۳۴۔الکافی ۲: ۱۶۵

۳۵۔نفس مصدر

۳۶۔وسائل الشیعۃ ۸: ۴۶۸

۳۷۔مجموعہ ورام ۱: ۳۴

۳۸۔بحار الانوار ۱۶: ۱۵۲

۳۹۔الاسراء: ۲۳۔۲۴

۴۰۔تحف العقول: ۲۷۰

۴۱۔منتہی القلب ۱: ۳۷۵

۴۲۔البیان: ۱۳۴
۴۳۔المستدرک الباب ۴۵ من ابواب صلاۃ الجمعۃ،
۴۴۔بحار الانوار ا ۷: ۲۳
۴۵۔الاسراء: ۲۳
۴۶۔لقمان: ۱۴
۴۷۔بحار الانوار ۷: ۱۲۹
۴۸۔لقمان: ۱۵
۴۹۔جواہر الکلام ا ۳: ۲۷۳
۵۰۔نہج البلاغۃ کلمۃ ۸۴۶
۵۱۔غور الحکم: ۴۴۴
۵۲۔الکافی ۲: ۱۷
۵۳۔الحیاۃ ۲: ۱۰۴
۵۴۔الوسائل ۱۱: ۵۹۷
۵۵۔نہج البلاغۃ،رسالۃ ۵۳
۵۶۔الوسائل، الباب، ا من ابواب جہاد العدو

❀❀❀

تہذیب وتمدن:

سلاطین اودھ کی عزاداری: قومی اتحاد کی اچھوتی تصویریں

پروفیسر سید اطہر رضا بلگرامی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

سلاطین اودھ نے اپنے دور حکومت میں مذہبی، سماجی اور معاشرتی اتحاد ویگانیت کی ایسی مثالیں پیش کردی ہیں جو دور حاضر کی گرتی ہوئی انسانی قدروں اور پھیلتے ہوئے ذہنی انتشار وہیجان کیلئے مشعل راہ ہیں۔ تاریخ نے ان کو محفوظ رکھ کر ہماری شناخت وپہچان کا تحفظ کیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے عقائد، رسم ورواج اور ہماری مذہبی وسماجی تقریبات سبھی کشادہ دلی، وسیع النظری رواداری ورآپسی خلوص ومحبت کا آئینہ رہی ہیں۔ مسلم گھرانوں میں بچہ کی پیدائش کے موقع پر روایتی گیت گانا، ہولی اور دیوالی کے موقع پر اپنے ہندو بھائیوں کی خوشی میں شریک ہونا ہماری تہذیب ومعاشرت کا حصہ ہیں۔ اسی طرح عید پر مسلمان گھروں میں ہندوؤں کا عید کی مبارکباد دینے آنا، سویاں کھانا، گلے ملنا، بچوں کو عیدی دینا بھی ہماری تہذیب میں رچابسا ہے۔ اگر دسہرہ میں راون کو آگ لگانے میں مسلم شرفاء کی شرکت کو ضروری قرار دیا گیا تو دوسری طرف امام چوک سے تعزیہ اٹھانے میں ہندوؤں کی شرکت کو بھی اسی شدومد کے ساتھ اہمیت دی گئی۔ اگر بسنت میں مسلمان عورتوں ولڑکیوں کا بسنتی رنگ کی اوڑھنیاں اوڑھنے کو رواج ملا تو محرم میں ہندولڑکوں، مردوں وعورتوں کو ہرے وکالے کپڑوں میں بھی دیکھا گیا۔ ہندوعورتوں کا تعزیے پر پرشاد چڑھانا وزراء اور امراء کے لئے اپنے بچوں کو تعزیے کے نیچے سے نکالنا، پانی وشربت کی سبیلیں رکھنا، عزاخانوں میں منت مانگنا علم وتعزیہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہنا، علم وتعزیہ کا طواف کرنا ہی ہماری تہذیب ومعاشرت کا حصہ

ہے جس کو نہ دبایا جا سکتا ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔

اس اتحاد و یکجہتی میں پوشیدہ عظیم قوت کو سلاطین اودھ نے پہچانا اور فروغ دیا۔ تمام سلاطین اودھ کی سماجی، معاشرتی زندگی اسی گنگا جمنی تہذیب کا آئینہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ شاہان اودھ بہ نفس نفیس ہولی دیوالی بسنت ودسہرے کے تہواروں میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ ان کی مکمل سرپرستی کی ان کو قومی تہواروں کا درجہ دیا اور بطور ایک مکتب فکر فروغ دیا۔

سلاطین اودھ نے عزاداری کو ہر لحاظ واعتبار سے قومی یکجہتی و بھائی چارے کی درخشندہ وتابندہ مثال بنا دیا۔ واقعہ کربلا کی روح تحفظ انسانیت ہے۔ اس لئے اس واقعہ سے ہر انسان کا خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، کسی عقیدے کا حامل ہو، متاثر ہونا فطری ہے۔ شاہان اودھ نے عزاداری کو انسانیت کے فروغ وبقاء کا ذریعہ بنالیا اور اس کی تبلیغ میں ہر مذہب وملت کی شرکت کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔

شمالی ہندوستان میں عزاداری کے تبرکات کا جلوس کی شکل میں نکالنے کی ابتداء شاہ اشرف جہانگیر سمنانی نے کی۔ یہ بزرگ ۱۳۵۰ء میں ہندوستان آئے اور انہوں نے پہلی بار محرم کے موقع پر علم حسینی برآمد کیا۔ ان کا دستور تھا کہ وہ علم اور زنبیل سبزوار کے طریقہ پر تیار کرتے اور سادات ومتقی وپرہیزگار اشخاص کو اطراف میں بھیجتے اور یہ فرض اپنے خلیفہ ارشد حضرت علی قلندر کے سپرد کرتے تھے[1]

اودھ میں فیض آباد وایودھیا کو مرکزیت حاصل تھی، فیض آباد اودھ کا دارالسلطنت اور ایودھیا مذہبی احترام وعقیدت کا مرکز رہا ہے۔ ایودھیا میں اگر ایک راجہ ہریش چند سگر، رگھوراج اور دشرتھ جیسے عظیم راجاؤں نے حکومت کی اور رام چندر جی جیسے اوتار گزرے تو مسلمانوں نے بھی اس علاقے کی خاک سے اپنا تعلق ابتدائے آفرینش سے قائم رکھا۔ یہ روایت مشہور ہے کہ جناب یعقوبؑ اور جناب شیثؑ کی قبریں اسی مقام پر ہیں جس کا ذکر ابو الفضل فیضی نے ''آئین اکبری'' کی جلد دوم میں کیا ہے[2] اس مذہبی احترام وعقیدت کی نسبت

سے اودھ میں عزاداری کی ابتداء میر باقی کی بنوائی ہوئی بابری مسجد سے ہوئی منشی جوالا پرشاد اختر کی تصنیف انوار سعادت میں " اس کی تفصیل اس طرح ہے:

"صوبہ اودھ میں حسینی فوج کے سپہ سالار اور علمبردار حضرت عباس کے نام کا پہلا علم ایودھیا کی سرزمین پر میر باقی کی بنوائی ہوئی بابری مسجد سے اٹھا اور اس کے اٹھوانے کا سہرا مغلیہ فوج کے ایک راجپوت سردار دھرم سنگھ کے سر ہے جس نے کمال شاہ نامی ایک بزرگ درویش کی خواہش پر وہاں مقتدر ہندوؤں سے بات چیت کے بعد ان کی رضامندی سے عین عاشور کے دن سے اٹھوایا۔ ۲۷

کہا جاتا ہے کہ پہلے ہی سال ایودھیا کی تمام آبادی عقیدت و احترام کے ساتھ اس علم کے جلوس میں شریک ہوئی۔ دوسرے سال اس علم کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ قرب وجوار کی تمام خلقت سمٹ کر ایودھیا میں جمع ہوگئی۔ اس علم کی شہرت و مقبولیت سن کر اپنے آخری ایام میں نواب شجاع الدولہ اپنی والدہ نواب صدر جہاں بیگم کے ہمراہ شاہی کروفر کے ساتھ ایودھیا آئے اور علم کی زیارت کی۔ نواب و بیگم علم کی شان و شوکت سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے تقریباً ۲ لاکھ کا چڑھاوا چڑھایا۔ لیکن ۱۷۷۷ء میں جب کمال شاہ کا انتقال ہوگیا تو اس علم کا اٹھنا بند ہوگیا۔ اودھ میں تعزیہ داری کی ابتدا بھی اسی مسجد سے ہوئی جب اسی درویش نے عشرہ محرم کے دوران ایک تعزیہ بنا کر اسی بابری مسجد کے چبوترے پر رکھا تھا ۲۸

نواب آصف الدولہ نے جب اودھ کا دار السلطنت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو قومی یکجہتی میں ڈوبی تمام تقریبات کی رونقیں لکھنؤ میں سمٹ آئیں۔ اب ہولی۔ دیوالی دسہرہ بسنت کے میلے و دیگر تقریبات، عید کی گہما گہمی اور محرم کی مجلسیں و جلوس سب اتحاد و یگانیت کا بے مثل نمونہ بن گئے۔ جہاں سربراہ مملکت ہر خاص و عام کی تقریبات میں بہ نفس نفیس شریک ہوتے اور ہر ممکن ذریعہ سے نہ صرف حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو فروغ دیتے۔

نواب واجد علی شاہ کے دور میں انیس، دبیر، انس اور مونس، جیسے اعلیٰ مرتبت مرثیہ گویوں کے ہمراہ ہندو مرثیہ گو شعرا نے وہی شہرت واحترام حاصل کیا۔ ان میں دیا کشن ریحان، راجہ الفت رائے الفت، کنور دھاپت رائے، محب، رام پرشاد بشیر، ہنڈولال زار قابل ذکر ہیں۔ یہ روایت تو آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد بھی قائم رہی۔ لکھنؤ کی عزاداری سے متاثر ہندو شعراء میں دلورام کوثری، مانک لکھنوی، منی لال جوان، روپ کماری، یوگندر پال صابر، عالیجناب مہاراجہ بلوان سنگھ (بنارس) پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی، منشی گوپی ناتھ امن باوا کرشن مغموم چکبست وغیرہ ایک طویل فہرست ہے جو نوابین اودھ کے جذبہ اتحاد کو فروغ دیتے آئے ہیں۔ جعفر حسین خاں جونپوری نے اپنی تصنیف رثائی ادب میں ہندوں کا حصہ اردو پبلیشرز لکھنؤ میں ۱۸ ہندو شعراء اہلبیت کی نشاندہی کی ہے اور ان کا نمونہ کلام شامل کیا ہے۔

محرم کے سلسلے میں لکھنؤ میں ہندوں کی عقیدت واحترام کا نقشہ سر میر حسن علی نے کچھ اس طرح کھینچا ہے:

> ''ہندوں کو بھی تعزیہ سے عقیدت عام ہے۔ وہ لوگ تعزیہ کو دیکھ کر مودبانہ جھک جاتے ہیں۔ مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ امام باڑوں میں کوئی بھی شخص داخل ہونے سے قبل اپنے جوتے اتار دیتا ہے۔ انگریزوں کے علاوہ کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ۷؎

شاہان اودھ کے دور میں بہت سے روضوں اور امام باڑوں کی تعمیر کا سہرہ ہندوں کے سر ہے۔ جگناتھ اگر وال جب امجد علی شاہ کے دور میں مسلمان ہوئے تو ان کا نام غلام رضا خاں رکھا گیا اور شاہی دربار سے شرف الدولہ'' کا خطاب عطا ہوا لکھنؤ کا مشہور روضہ کاظمین انہیں کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی طرح راجہ جھاؤلال کا مشہور امام باڑہ ٹھاکر گنج میں واقع ہے۔ جس کو نواب آصف الدولہ کے وزیر راجہ جھاؤلال نے بنوایا۔ اس امام باڑے کے احاطہ میں راجہ جھاؤلال کی بنوائی ہوئی ایک شاندار مسجد بھی تھی جو درمیان میں سڑک حائل ہونے کے

سبب امام باڑہ سے الگ ہوگئی اور اب وہ ''اہلی والی مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔ امام باڑہ کے داہنی طرف کومتی داس کا مندر اور اس مندر کی پشت پر (آج) ٹی،بی، ہسپتال ہے جس کو نواب آصف الدولہ نے بابا کی رہائش کے لئے بنوایا تھا اور بزرگ لوگ آج بھی موجودہ ہسپتال کو اسی نسبت سے بابا کومتی داس کا آتھل'' کہتے ہیں۔ ۵؎ اس کے علاوہ بہت سے مقتدر ہندو حضرات کے تعزیے بھی بہت مشہور ہیں جن کی زیارت نواب بہ نفس نفیس کرتے تھے ان میں راجہ بھوانی مشرا اور راجہ ٹکیت رائے کا تعزیہ قابل ذکر ہیں جن کا حوالہ آگے آئے گا۔

انتخاب اخبار نواب وزیر بہادر'' اور انتخاب دربار معلی واطراف ''جنکی دو جلدیں'' رائل ایشیاٹک سوسائٹی، گریٹ برٹش اینڈ آئرلینڈ، لندن میں محفوظ ہیں، دربار آصفی کے حالات اور آصف الدولہ کے کوائف پیش کرتی ہیں۔ یہ روزنامچہ آصف الدولہ کی روزانہ کی مصروفیات کی عکاسی کرتا ہے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے عوام سے کس کس سطح پر اور کس طرح منسلک رہتے تھے کس طرح بلا تفریق مذہب وملت غریب وامیر کی فلاح وترقی کے لئے کوشاں تھے۔ اس روزنامچہ کے چند اقتباسات پیش کررہا ہوں جو عزاداری کے سلسلے کے ہیں۔ ۶؎

> یکم محرم ۹۴ کاء نواب وزیر (آصف الدولہ) علی الصباح بیدار ہوئے، غسل کیا، لباس تبدیل کیا اور اس کے بعد سہ درہ محل میں پیپل کے پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے ضروری امور کے متعلق احکامات دیئے، گھوڑے پر سوار ہوئے اور عتیق اللہ کے امام باڑہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے فاتحہ پڑھا اور احترام وادب کے ساتھ پانچ سو روپیہ تعزیہ پر نذر کیے پھر دیگر غربا، وفقرا کے تعزیوں کی زیارت کی اور اہل تعزیہ کی ضرورت کے پیش نظر کچھ روپیہ ہر ایک تعزیہ پر نذر کیے''

''۲ محرم ۹۴ کاء سہ پہر بعد کرم صاحب کی بارہ دری گئے پھر وہاں سے فوجی

چھاونی گئے جہاں پر تعزیے کے سامنے نذر گزاری۔ اس کے بعد اشرف علی خاں اور ان کے بھائیوں کے عزا خانے میں گئے۔ مرثیہ خوانی اور روضہ خوانی میں شرکت کی اور ایک ہزار روپیہ نذر کیا۔ پھر سواری پر پنچ محلہ گئے اور وہاں خواتین کے تعزیوں کے لئے ایک بڑی رقم نظر کی۔ اس کے بعد اپنے امام باڑے میں واپس آئے اور مجلس میں شرکت کی۔ نواب نے مرثیہ خوانوں اور روضہ خوانوں کو دوشالہ اور زر نقد پیش کیا۔

۳۔محرم ۱۷۹۴ء کو نواب سواری میں سنگتی گئے اور وہاں غرباء و مساکین کے تعزیوں پر زر نقد پیش کیا۔

۴۔محرم ۱۷۹۴ء کو نواب حسن رضا خاں کی حویلی گئے۔ تعزیوں پر پانچ اشرفیاں نذر کیں۔ امام باڑہ حسن خاں میں حاضر ہوکر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔ روضہ خوان کو دوشالہ عطا کیے اور امراء و روساء کے ساتھ ماتم میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد راجہ جھاؤلال کے امام باڑے میں حاضری دی اور وہاں بھی تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نظر کیے۔

۵ محرم ۱۷۹۴ء کو نواب دریائے گومتی عبور کرکے فوجدار خاں کی حویلی گئے تعزیوں پر ایک ہزار روپیہ نذر کیے، وہاں سے مستان شاہ کے تعزیہ کی زیارت کی اور ایک سو روپیہ نظر کیا۔"

۶ محرم ۱۷۹۴ء کو نواب نے درگاہ حضرت عباس میں حاضری دی اور پانچ سو روپیہ نظر کیے۔ اس کے بعد مہاراجہ ٹکیت رائے کے عزا خانے میں حاضری دی زیارت کی اور تعزیے پر چار سو روپیہ نذر کیے۔ پھر وزیر باغ گئے اور تعزیوں پر نذریں گزاریں۔ اس کے بعد اپنے امام باڑے میں واپس آئے۔ اسی درمیان مسٹر چیری اور دیگر انگریز افسران بھی آگئے۔ چنانچہ انھوں نے بھی نواب کے ساتھ مجلس میں شرکت کی اور ماتم کیا۔"

دوسرے سال یعنی ۱۷۹۵ء کی چند مصروفیات کا ذکر اس طرح ہے:

۲ محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے حکم دیا کہ مداح علی خاں سے پچیس ہزار روپیہ لیکر تحسین علی خاں کو دے جائیں جو پانچ روپیہ فی کس کے حساب سے غریب تعزیہ داروں کو تقسیم کردیں۔ اسکے بعد فوجدار خاں کے تعزیہ کی زیارت کو گئے اور سو روپیہ نذر کیے''

۳ محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے راجہ جھاؤلال کو حکم دیا کہ نجف اشرف میں حضرت علیؓ کے روضے پر چڑھاوے کے لیے دو سو طلائی کمر بند اور ایک لاکھ کی مالیت کے دیگر سامان تیار کیے جائیں۔ پھر نواب راجہ جھاؤلال کے تعزیہ کی زیارت کو گئے اور سو روپیہ نذر کیے۔ راجہ جھاؤلال نے پانچ سو روپیہ نذرانے میں پیش کیے۔

۶ محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے راجہ بھوانی مشرا کے تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے اور راجہ نے نواب کو تحفہ میں ۲ ہزار روپیہ پیش کیے۔

۷ محرم ۱۷۹۵ء کو نواب ٹکیت رائے کی حویلی گئے اور تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔ وہاں سے نواب گولہ گھاٹ گئے اور میر مستیا کے تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔

قومی یکجہتی و اتحاد کی یہ وہ ناقابل فراموش یادگاریں ہیں جن کی ابتداء ایودھیا میں بابری مسجد سے ہوئی اور تمام سلاطین اودھ کے ہاتھوں پروان بھی چڑھتی رہیں۔ دور حاضر میں سب کچھ مٹ جانے کے بعد اس اتحاد کی کچھ جھلکیاں آج بھی اودھ کے قصبات و دور دراز گاؤں میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ ورنہ صرف اودھ بلکہ پورے ہندوستان میں ان کی جھلکیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہمارے مندر، ہماری مسجدیں درگاہیں اور تیرتھ استھان اسی اتحاد کا آئینہ ہیں۔ ہندوستان کی نہ جانے کتنی تاریخی عمارتیں اسی قومی یکجہتی و اتحاد کی داستانوں کو سینے سے لگائے آج بھی کھڑی ہیں خواہ دہلی کے چاندنی چوک کا جین مندر ہو یا مہرولی کی درگاہ و جوگ مایا کا مندر ہو، اجمیر شریف کی درگاہ ہو یا امرناتھ یاترا۔ میں چھڑی شریف ہو سبھی قومی یکجہتی کی نشانیاں ہیں۔ جو ہر چہار سو بکھری ہوئی ہیں۔ ہمارا امن و سکون ہمارا اتحاد ہماری ترقی اور ہماری شناخت انہیں سے وابستہ ہے اور جب تک ماضی کی یہ تاریخ ہمارے سامنے رہے گی۔ ہماری

منفرد پہچان باقی رہے گی۔

❀❀❀

حوالے:

۱۔ لطائف اشرفی، جلد ۲ ۲۶۸ بہ حوالہ علامہ فروغ کاظمی، شاہان اودھ اور شیعیت‘‘ عباس بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۹۹ صفحہ ۶۳

۲۔ علامہ فروغ کاظمی، ایضاً صفحہ ۶۴

۳۔ علامہ فروغ کاظمی ایضاً ۶۴ دیکھئے قیصر التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۱۰

۴۔ علامہ فروغ کاظمی، ایضاً صفحہ ۱۴۲

۵۔ علامہ فروغ کاظمی ایضاً صفحہ ۱۹۵

۶۔ ایضاً صفحات ۹۲ تا ۹۷

☆☆☆

بہار کی یادگار اسلامی عمارتیں

از: ڈاکٹر سید شاہد اقبال، بہار

بہار میں مسلم حکومت کا آغاز ۵۹۰ھ بمطابق ۱۱۹۴ء میں احمد محمد بختیار خلجی کی فتوحات سے ہوتا ہے۔ بختیار خلجی (۱۱۹۴ء سے ۱۲۰۷ تک) مشرقی ہندوستان کا پہلا مسلم فاتح ہے۔ جس نے مملکت اسلامیہ کو بہار اور بنگال تک وسعت دی۔

دہلی پر پانچ سو سالہ مسلم حکومت کی تعمیرات آگرہ، دہلی فتح پور سیکری، اجمیر، جے پور وغیرہ میں دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ بہار میں مسلم دور حکومت کی نمائندہ اور اہم تعمیرات موجود ہیں۔

عہد وسطی میں بہار ایک ایسا سرحدی علاقہ تھا جس پر تسلط قائم کرنے کے لئے دہلی اور بنگال کے سلطانوں کے درمیان اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں مختلف حصوں پر ان کا قبضہ قائم اور پھر ختم ہوتا رہا — بہار کی قدیم عمارتوں میں زیادہ تر عبادت گاہیں، مقبرے اور محلات ہیں، ان پر ایرانی افغانی اور مغل طرز تعمیر کے اثرات واضح ہیں۔

ذیل میں ہم ان چند اہم تعمیرات کا ذکر کریں گے جنہیں مسلم دور حکومت میں تعمیر کیا گیا ہے۔

(۱) روضہ ملک ابراہیم بیّاہ (بہار شریف رنالندہ)

سن تعمیر ۷۵۴ھ / ۱۳۵۳ء

بہار کی سب سے قدیم تاریخی عمارت ملک ابراہیم بیّاؒ کا مقبرہ جو بہار شریف میں ایک پہاڑی پر واقع ہے ملک ابراہیم بیّاؒ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء)

میں بہار کے حاکم (گورنر) تھے۔ انہوں نے بہار میں تغلق حکومت کی توسیع اور استحکام میں نمایاں حصہ لیا تھا اور ۱۳۵۳ء میں شہید ہوئے تھے۔ یہ مقبرہ اسی سال تعمیر ہوا تھا۔

اس عمارت کا پلان اس طرح ہے، چار دیواری سے گھرے ہوئے ایک وسیع چوکور صحن کے اوپر چوکور ہال ہے جس کی دیواریں مخروطی (Tapering) ہیں۔ اور جس کے اوپر ایک غیر معمولی شکل کا چبوترا سا گنبد ہے۔ اس میں تغلق عہد کی عمارتوں کی اکثر خصوصیات موجود ہیں۔ مثلاً مخروطی دیواریں/ نکیلے شکل کے محراب اور واحد گنبد۔ یہ عمارت بہار میں تغلق شاہی طرز تعمیر کے اثرات کی نشاندہی کرتی ہے۔

ملک ابراہیم بیّا ۱۳/ ذی الحج ۷۵۴ھ/ ۱۳۵۳ء بروز اتوار رہتاس گڑھ قلع میں شہید ہوئے، جسد خاکی بہار شریف لایا گیا۔ آپ شہر بہار شریف سے ایک میل دور پہاڑی پر مدفون ہیں جس پہاڑی پر آپ کا روضہ ہے وہ ''پیر پہاڑی'' کے نام سے مشہور ہے۔

سات صدیاں گذرگئی لیکن ملک بیّا کے روضے کی عمارت بالکل نئی معلوم ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ عمارت کی اینٹوں سے خوشبو نکلتی ہے۔ روضے کے اندر ایک مخصوص گوشہ ہے جہاں ایک مخصوص مقام پر جس قد کا آدمی کھڑا ہوجائے وہ ایک مخصوص خوشبو محسوس کرے گا۔ لیکن کھڑا ہوا شخص اپنے پیر کے پنجوں پر کھڑا ہو کر اپنا قد اونچا کرے یا چہرہ ادھر ادھر گھمائے تو وہ خوشبو غائب ہوجاتی ہے۔ ؎

(۲) شیر شاہی قلع عظیم آباد (المعروف قلع جالان/ پٹنہ سٹی)

سن تعمیر ۱۵۴۰ء

پٹھانوں کے عہد سلطنت سے متعلق ایک کتاب تاریخ داودی میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر جب شیر شاہ گنگا کے کنارے کھڑا تھا تو اسے یہ خیال ہوا کہ چونکہ اس جگہ پر شمال کی جانب سے ایک دوسرا دریا ''گنڈک'' گنگا میں آکر ملتا ہے، لہذا گنگا کا پانی اس جگہ سے شمال کی جانب زیادہ دور نہیں ہٹ سکتا ہے اور یہ اس جگہ کے شمالی کنارے کو محفوظ بنائے رکھے گا۔

اگر دوسری جانب سے اسے قلعہ بند کردیا جائے تو یہ ایک محفوظ فوجی مقام بن جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایک قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا اور پانچ لاکھ روپے کے خرچ سے تقریباً ۱۵۴۰ء میں یہ قلعہ مکمل ہوا۔ ۳؎

عہد مغلیہ میں اکثر صوبے دار وحکام اس جگہ قیام کرتے تھے۔ ۱۵۷۶ء میں اکبر کے زمانے میں داؤدخاں کرارانی فرماں روائے بہار وبنگال واڑیسہ اس قلعے میں قلعہ بند ہوگیا تھا اس کے فرار ہونے پر اکبر نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ راجا مان سنگھ اور شہزادہ عظیم الشان کے زمانے میں اس کی مرمت بھی کی گئی تھی۔ ۴؎

اس جگہ اس بات کا اظہار بے جانہ ہوگا کہ قلعہ جالان کے سکونتی مکان کے آخری مالک مرزا سعید اتھے۔ انہوں نے آٹھ دس ہزار روپے لے کر اسے رائے بہادر راجا کرشن جالان (مارواڑی) کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جس نے اس قلعے کو انگریزی عمارتوں کے طور پر آراستہ کیا۔ ۵؎

(۳) شیر شاہ کا مقبرہ شہسرام سن تعمیر ۱۵۴۵ء

تاریخی اور فنی اعتبار سے زیادہ مشہور عمارتیں وہ ہیں جو سوری عہد میں شہسرام میں تعمیر کی گئی ہیں۔ مثلاً حسن خاں، شیر شاہ اور علاول خاں کے مقبرے، ان عمارتوں میں دہلی کے سید اور لودی طرز تعمیر کے اثرات نمایاں ہیں۔ مگر ہم ان میں کچھ جدتوں کا اضافہ بھی پاتے ہیں۔

شیر شاہ کا مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے درمیان بنا ہوا ہے۔ جس کے شمال جانب مقبرے تک آنے کے لئے ایک محراب دار پل بنا ہوا ہے۔

اس کا نقشہ اس طرح ہے۔ ایک بلند چبوترے پر ایک چوکور سنگی صحن ہے جس کے اوپر ایک چوکور کمرہ ہے۔ عمارت کا سب سے پرشکوہ حصہ نیم کروی شکل کا گنبد ہے اس کا نچلا حصہ یا (DRUM) ۱۶ پہلوؤں کا ہے اور قطر ۲۲ میٹر کا ہے۔ عمارت میں رنگین اور روغن دار TILES لگے ہوئے تھے۔ جب یہ عمارت اپنی اصل حالت میں رہی ہوگی اس وقت اس

کا خوبصورت رنگین عکس جھیل کے صاف پانی میں جھلکتا ہوگا۔ اگرچہ اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی، مگر آج بھی ناظرین پر اس کا مجموعی تاثر بہت گہرا ہوتا ہے، نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں INDO-ISLAMIC طرز تعمیر کا ایک عمدہ شاہکار مانا جاتا ہے۔ ہے

یہاں اس بات کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ شیر شاہ (۱۵۴۰-۱۵۴۵ء) کالنجر (بندیل کھنڈ) کے محاصرے کے دوران مئی ۱۵۴۵ء میں بارود کے ذخیرے میں آگ لگ جانے سے جھلس گیا تھا بعد میں اس کی موت واقع ہوگئی تھی اس کی میت سہسرام لائی گئی اور اس کے تعمیر کردہ مذکورہ مقبرے میں ہی اسے دفن کردیا گیا۔!!!

(۴) جامع مسجد راج محل ضلع صاحب گنج (سنتھال پرگنہ) سن تعمیر ۱۵۹۵ء

شہنشاہ اکبر اعظم نے راجامان سنگھ کو دسمبر ۱۵۸۷ء میں بہار کا حاکم (گورنر) نامزد کیا۔ راجا مان سنگھ اٹھارہ سال (۱۵۸۷ء تا ۱۶۰۵ء) بہار کا حاکم رہا۔ ۱۵۹۵ء راجا مان سنگھ نے اکبرنگر (بعد میں آک محل اور آج راج محل) نامی ایک شہر بسایا اور اسے دارالحکومت بنگالہ قرار دیا، راج محل ضلع صاحب گنج (سنتھال پرگنہ) میں واقع ہے۔ ۱۵ر نومبر ۲۰۰۰ء کو بہار کی تقسیم کے بعد یہ ضلع نوتشکیل شدہ ریاست جھارکھنڈ کا حصہ بن گیا ہے۔

راجامان سنگھ نے اس جگہ ایک خوبصورت محل تعمیر کرلیا اور ایک شاندار اور خوبصورت شہر آباد کیا۔ اس زمانے میں یہ بنگالہ کا سب سے زیادہ آباد اور پررونق شہر تھا۔ اب یہاں چند شکستہ عمارتوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔ راج محل کی جامع مسجد اس عہد کی یادگار ہے۔

راج محل کی جامع مسجد وسعت کے اعتبار سے بہار رجھارکھنڈ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ مسجد موجودہ راج محل سے تقریباً چارمیل جانب پچھم واقع ہے اوور ایک پہاڑی نما ٹیلے پر بنی ہوئی۔ اس مسجد میں ایک وسیع ہال اور صحن ہے جو ایک پختہ چہاردیواری سے گھرا ہوا ہے جس میں سہ طرفہ راستہ ہے، شمال، جنوب اور مشرق اس مسجد کا مشرقی دروازہ عام راستہ تھا،

پچیس ، تیس زینوں کو (جو اب منہدم ہو چکے ہیں) طے کر کے مسجد میں داخل ہونا ہوتا تھا۔ اس کے اندر دس فٹ چوڑا ایک پلیٹ فارم بھی ہے، اس مسجد میں جانے کے لئے تین دروازوں کے علاوہ چار کھڑکیاں بھی ہیں ۔ یہ مسجد سنگ سیاہ کی ترشی ہوئی سلوں سے بنائی گئی ہے صرف دالان اور گنبد میں اینٹ کو جوڑی پر سرخی کا پلاسٹر ہے۔ یہ مسجد تقریباً تین سو فٹ لمبی اور نوے فٹ چوڑی (300'lx90'W) ہے اس میں آٹھ مینار اور سترہ گنبد تھے۔ جن میں سے چند مینار اور گنبد ٹوٹ گئے ہیں۔ دالان دوہرا ہے دالان کے اندر چھت سے متصل چار حجرے بنے ہوئے ہیں جن پر چار چھوٹے چھوٹے نصف دائرہ نما گنبد ہیں ؂

منبر سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت اور منقش تھا۔ محافظ کی زبانی معلوم ہوا کہ سنقالی کھود کر لے گئے۔ صحن دو ہیں ایک فوقی فرش دالان کے برابر دوسرا تحتی رفوقی صحن ہے جو نو دس فٹ نیچا ہے ۔ اس تحتی صحن کے وسط میں ایک چھوٹا ۔ سا حوض (وضو کے لئے) اور اس کے وسط میں فوارہ بنا ہوا ہے اور حوض میں پانی آنے کے لئے صحن کے ہر جانب نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پر چڑھنے کے لئے دائیں بائیں جانب سنگی زینے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد ذرا چپٹے ہیں اور ان پر کلس نہیں چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد نہایت پختہ اور مضبوط بنائی گئی تھی ۱۹۳۶ء سے یہ محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہے۔ محافظ کی زبانی معلوم ہوا کہ ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن (LORD CURZON) بہ نفس نفیس اس مسجد کو دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ ؂۱۰

(۵) قلعہ رہتاس، سن تعمیر ۱۵۹۷۔۱۵۸۷ء

روایتوں کے مطابق اس قلعے کا بانی رہتا سوا پیر چند یا خود راجا ہریش چندر تھا۔ لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قلعہ ہندو راجاؤں کے عہد میں تعمیر ہوا تھا لیکن موجودہ قلعہ اور عمارتیں مسلمانوں کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ ہندو راجاؤں کے عہد کے متعلق چند کتبے چٹانوں اور پتھروں پر پائے گئے ہیں جن کا ذکر شاہ آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر (SHAHABAD DISTRICT GAZETTEER) اور فرانسس بکانن سفر نامے

JOURNAL of FRANCIS BUCHANAN میں موجود ہے۔

روہتاس قلعے میں مختلف بادشاہوں کے وقت کی عمارتیں ہیں۔ ان میں سے مشہور راجامان سنگھ کا محل ہے۔ اس کی اندرونی عمارتوں میں بارہ دری، آئینہ محل، پھول محل اور تخت محل کی چار منزلہ عمارت قابل دید ہے۔ محل کے صدر دروازہ کے دونوں جانب پتھر کے دو خوبصورت ہاتھی، طاقوں کے اندر کندہ ہیں اسی وجہ سے یہ دروازہ ہتھیا پول کہلاتا ہے۔ دروازے کے اوپر فارسی میں اور سنسکرت میں دو کتبے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ راجامان سنگھ کے حکم سے یہ عمارتیں ۹۷-۱۵۹۶ء میں تعمیر کی گئی تھیں، بعد میں ۱۶۰۶/۱۶۰۷ء میں انہوں نے مغربی گھاٹ کے سرے پر تین بلند مورچہ بند دروازے تعمیر کرائے تاکہ اس جانب سے حملہ نہ ہوسکے۔ قلعے سے دور اور ایک غیر آباد مقام پر ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ ان دروازوں تک نہیں جاتے مگر یہ اپنی مضبوطی اور خوبصورتی کے لحاظ سے قابل توجہ ہیں۔ یہ تمام عمارتیں استاد مبارک صنعت گر اور داروغہ پلی بھدر کے زیر نگرانی مکمل ہوئی تھیں۔ جن کے نام کتبے میں درج ہیں۔

قلع رہتاس کی چند اہم عمارتیں (راجامان سنگھ کی تعمیر کردہ) درج ذیل ہیں۔

۱۔ محل سرائے

رہتاس قلعے کی سب سے اہم عمارت کا نام محل سرائے ہے، یہ شمالاً جنوباً (500'NS X 300EW) پانچ سو فٹ لمبی اور شرقاً غرباً تین سو فٹ چوڑی ہے، یہ بہت خوبصورت عمارت اور مغل طرز تعمیر کا بہار میں ایک عمدہ نمونہ ہے عہد اکبری میں تعمیر ہوئی ہے اس کا بلند دروازہ ہاتھی پول (ہاتھی دروازہ) کہلاتا ہے داخل دروازہ نو فٹ چوڑا ہے اور اس کے قریب پہردار کا کمرہ بھی ہے۔

۲۔ بارہ دری

یہ ایک بڑے چبوترے پر بنی ہوئی ہے جو 120' L X 90 'W اس کے مشرق اور

مغربی جانب دو سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو اسے دوسری منزل سے ملاتی ہیں۔

۳۔تخت بادشاہی یا دیوان خاص

یہ راجا مان سنگھ کی رہائش گاہ تھی۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے جس میں خوبصورت کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی نچلی منزل میں دو بڑے ہال W ' 15 X 50' L اور 45'LX 15' W گیلری کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔

۴۔ ناچ گھر یا دیوان عام

یہ ایک وسیع عمارت ہے جس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ مقامی روایت کے مطابق راجامان سنگھ کے زیر استعمال تھی اور اس میں ناچنے اور گانے والیوں کی رہائش کا انتظام بھی تھا۔

۵۔آئینہ محل یا شیش محل

یہ ایک خوبصورت عمارت ہے لیکن قلع آگرہ کے شیش محل یا امیر کے آئینہ محل کے مقابلے میں قلع رہتاس میں دیواروں پر شیشے کم لگے ہوئے ہے۔صرف بارہ شیشے 2X2 کے لگے ہوئے ہیں جن کو زمانے نے دھندلا کر دیا ہے۔ یہ شیش محل رجامان سنگھ کی سب سے چہیتی رانی کے لئے مخصوص تھا۔

۶۔ پھلواری رخانہ باغ

یہ دیوان خاص کے شمال مغربی کونے پر واقع ہے جسے مقامی زبان میں پھلواری یا خانہ باغ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی دومنزلہ عمارت ہے جو بیگمات کے لئے مخصوص تھی۔ اس عمارت میں سولہ خواتین کی رہائش کی گنجائش ہے اور اس کی تعمیر امیر محل کے نمونے پر کی گئی ہے۔

۷۔پھول محل

مقامی روایت ہے کہ یہ عمارت راجامان سنگھ کا سرکاری دفتر تھی۔ اس میں ایک بڑا

ہال اور گیلری ہر دو طرف موجود ہے۔ یہ عمارت ''پھول محل'' کہلاتی ہے۔

رہتاس قلعے کے صدر دروازے پر تاریخ تعمیر جدید ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۵ء درج ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تعمیرات دس سال (۱۵۸۷ تا ۱۵۹۷ء) کے عرصے میں مکمل ہوئی تھی۔ ۱۱ ۱۲ ۱۳

(۶) مخدوم شاہ دولت منیریؒ کا مقبرہ (منیر شریف / پٹنہ) سن تعمیر ۱۶۱۵ء

مخدوم شاہ دولت منیریؒ (۸۹۸ھ تا ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۴۹۲ تا ۱۶۰۸ء) کا مرتبہ مشائخ بہار میں نہایت بلند ہے۔ آپ کا مزار منیر شریف (پٹنہ سے تیس کیلو میٹر پچھم) میں واقع ہے اور چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے مداحین میں راجامان سنگھ، عبدالرحیم خان خاناں اور ابراہیم خاں کانکڑ (گورنر گجرات درعہد اکبری) شامل تھے۔ شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں نے آپ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کو بادشاہ ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ کا مقبرہ مشرقی ہندوستان میں بے نظیر ہے۔ یہ مقبرہ ابراہیم خاں کانکڑ نے ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۵ء میں تعمیر کرلیا۔

مخدوم شاہ دولت منیریؒ کا مقبرہ ہند ایرانی طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ یہ مقبرہ ۵۸/ ۸۸ مربع فٹ اور دو فٹ اونچے چبوترے پر ہے، اس کے چاروں کنارے پر بارہ پہل کی برجیاں ہیں جس حصے پر مقبرہ ہے وہ باہر سے ۳۴ فٹ۔ ۱۸/ انچ مربع ہے اس کے چاروں طرف گیارہ فٹ اٹھارہ انچ (۱۱،۱۸) چوڑا برآمدہ ہے۔ اس کی چھت اعلیٰ قسم کی سنگ تراشی اور نقاشی کا نمونہ ہے۔ اس میں جابجا آیات قرآنی کھدی ہیں۔ اندرونی حصہ ۲۱/ مربع فٹ ہے چار بڑے ستونوں پر عالی شان گنبد بنایا گیا ہے جو صنعت گری کا بیش بہا نمونہ ہے۔ روضہ کے اندر گیارہ بڑی جالیاں ہیں جس پر اللہ کافی کھدا ہوا ہے۔ مقبرے میں جانے کے لئے ایک

دروازہ ہے اس پر دو کتبے ہیں پہلے سے مخدوم شاہ دولتؒ کا سن وصال ایک ہزار سترہ ۱۰۱۷ھ اور دوسرے سے تکمیل روضے کی تاریخ ۱۰۲۵ھ نکلتی ہے۔

اس مقبرے میں درمیانی قبر حضرت مخدوم شاہ دولتؒ کی ہے اس کے پورب میں آپ کی اہلیہ اور پچھم میں بانی مقبرہ ابراہیم خان کانکڑ کی قبر ہے۔ مقبرے کے پچھم میں سائبان اور اس کے ساتھ دو کمرے اور ایک زمین دوز کمرہ اٹھارہ فٹ چوڑا اور بارہ فٹ لمبا ہے بیچ میں ایک وسیع مسجد پچیس فٹ لمبی اور انیس فٹ چوڑی ہے اس کے دروازے پر ایک کتبے میں آیات قرآنی درج ہیں اور دوسرے کے آخری مصرے ''چوں ابراہیم بیت اللہ بنا کرد'' سے سن تعمیر ۱۰۲۵ھ ظاہر ہے۔ ۱۴

اس مقبرے کے جانب شمال مغلیہ طرز کا بہت بڑا صدر دروازہ ہے اس کے دونوں طرف ہشت پہلو برجیاں اور اوپر دو سائبان ہیں۔ دروازے کے باہر وسیع چبوترہ اور زینے بنے ہوئے ہیں جیسا کہ جامع مسجد دھلی کے دروازے پر ہے صدر دروازے کے پہلے کتبے کے آخری مصرعے ''قل یوسن دخلہ کان آمنا'' اور دوسرے کتبے کے آخری مصرعے ''در دولت کشادہ باد دوام'' سے سن تعمیر ۱۰۲۵ھ ظاہر ہے۔ ۱۵ جانب جنوب تالاب کی طرف جانے کے لئے ایک دروازہ ہے تالاب کے کنارے واقع ہونے سے اس کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ اس مقبرے کو لارڈ کیننگھم نے مشرقی ہندوستان کے نادر مقبروں میں شمار کیا ہے۔ ۱۹۵۲ء سے یہ محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے اور وہی اس کی دیکھ ریکھ کا ذمہ دار بھی ہے۔ ۱۵

(۷) داؤد نگر کا قلعہ، سن تعمیر ۱۶۶۴ء، واقع داؤد نگر

(اورنگ آباد بہار)

داؤد نگر کا قلعہ (اورنگ آباد، بہار) بے توجہی کا شکار ہوکر تقریبا منہدم ہوچکا ہے ۱۶۶۴ء میں پلاموں کے راجا کے خلاف مہم تیز کرنے والے اورنگ زیب کے صوبہ دار داؤد خاں نے مہم کی کامیابی کی توقع میں اس قلعے کی تعمیر کرائی تھی۔ اس کے ساتھ اس نے داؤد نگر

شہر بھی بسایا تھا۔ یہ قلعہ داؤدنگر کے پرانے شہر میں واقع ہے، جو مشرقی ہندوستان کا ایک اہم تجارتی مرکز تھا اور بنارس کی اہم تجارتی شاہرہ پر واقع تھا۔ اس قلعہ کا پتھر کافی خوبصورت ہے اس کا مرکزی دروازہ بڑا طلسماتی بتایا جاتا ہے۔

شمالی دروازہ، پھاٹک پٹنہ اور مشرقی دروازہ، چھتر کا دروازہ کہلاتا تھا، مگر اب صرف ان کے باقیات ہیں۔

داؤدنگر قلعے کے اندر ایک عالیشان مسجد شکستہ حالت میں غیر آباد ہے اس مسجد میں تین گنبد اور آٹھ برجیں ہیں اور تہہ خانہ بھی ہے۔

یہ قلعہ سون ندی کے مشرقی ساحل پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف مضبوط پشتے تعمیر کیے گئے تھے اور اونچی فصیل کھڑی کی گئی تھی۔ قلعے کے اندر محلات اور اصطبل موجود تھے جن کے باقیات رہ گئے ہیں۔

لیکن طبقات ناصری کچھ اور کہانی پیش کرتی ہے۔ سلیمان خان کرارانی ۱۵۷۲ء میں بہار کا صوبہ دار تھا اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا داؤد خان کرارانی صوبہ دار بنا جس نے سلطنت دہلی کے خلاف بغاوت کردی۔ جسے کچلنے کے لئے شہنشاہ اکبر کو خود بہار آنا پڑا، پٹنہ کے قریب حاجی پور میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا، ۱۵۷۶ء میں داؤد خان مارا گیا۔ ایک دوسری روایت کے بموجب داؤد خان کرارانی قلعہ شیر شاہ (جالان کا قلعہ) پٹنہ میں قلعہ بند ہوگیا تھا۔ بعد میں وہ فرار ہوگیا تھا اور شہنشاہ اکبر نے اس قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اگر یہ روایت تسلیم کرلی جائے تو داؤدنگر کا قلعہ ۱۵۷۶ء سے قبل تعمیر ہو چکا تھا یعنی اس کی تعمیر عہد اکبری میں ہوئی تھی نہ کہ عہد عالمگیر میں جیسا کہ مشہور ہے۔ [۱۸]

(۸) شمشیر خان کا مقبرہ سن تعمیر ۱۷۱۲ء واقع شمشیر نگر (اورنگ آباد)

شمشیر خان کا مقبرہ داؤدنگر پٹنہ شاہراہ پر شمشیر نگر گاؤں میں واقع ہے۔ یہ جگہ داؤد

نگر کے پرانے شہر سے تقریباً پانچ کیلو میٹر پورب اتر جانب واقع ہے۔ تقریبا تین سو سال پرانے اس مقبرے کی حالت آج بے حد خستہ ہے۔ اس کی ایک دیوار گر چکی ہے یہ مقبرہ عظیم آباد / اودھ / گورکھپور کے صوبے دار شمشیر خاں کا ہے۔ جس نے اورنگ زیب کے لڑکے معظم کی وفات (۱۷۱۲ء) کے بعد ہوئی تخت نشینی کی جنگ میں شہزادہ رفیع الشان کا طرف دار ہو کر جنگ لڑی تھی اور بعد میں رحیم خان افغان کی بغاوت کے دوران پتھر کی زد میں آکر مارا گیا۔ اپنے مقبرے کی تعمیر شمشیر خان نے خود کرائی تھی۔ وہ مشہور شاعر اور اکبر کے نورتن عبد الرحیم خان خانان کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

اس مقبرے کی تعمیر کا پلان اس طرح ہے۔ ایک وسیع چبوترے پر عمارت 50X50 تعمیر کی گئی ہے جس کے درمیان 30X36 مقبرہ ہے۔ اس مقبرے کے چاروں طرف تین / تین دروازے ہیں یعنی کل بارہ دروازہ ہیں اس کے چاروں طرف سائبان ہے۔ جس کے اوپر جالیاں لگی ہوئی ہیں اور چاروں طرف کونے میں چھوٹے مینار بنے ہوئے ہیں جس کے درمیان میں ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد مقبرے کے اوپر ایک منزل کی تعمیر کے بعد بنایا گیا ہے یہ مقبرہ دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کے طرز پر بنا ہوا ہے لیکن اس میں اضافہ یہ ہے کہ بیرون سائباں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں اور مینارہ بنا ہوا ہے۔ چونکہ شمشیر خاں نے یہ مقبرہ خود تعمیر کرایا تھا اس لئے اس کے پیش نظر عہد مغلیہ میں تعمیر ہونے والے دیگر مقبرے ضرور رہے ہوں گے۔

یہ مقبرہ سرخ پتھر سے بنا ہوا ہے اور مشرقی ہندوستان میں ہند ایران طرز تعمیر کا ایرانی نمونہ ہے۔ گرچہ یہ مقبرہ محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے لیکن محکمہ کا کوئی ملازم یہاں نہیں رہتا ہے۔ ۱۹-۱-۲۰۰۰

(۹) میر قاسم کا قلعہ مونگیر سن تعمیر ۱۷۶۲ء

میر قاسم نے ۱۷۶۲ء میں (مرشد آباد کی بجائے) مونگیر کو راجدھانی بنایا میر قاسم کو

اپنی حکومت کے شروع کے دنوں سے ہی یہ احساس ہوگیا کہ سالہا سال اقتدار کی رسہ کشی میں مبتلا حاکموں نے اس شہر کی تعمیر وترقی کو پس پشت ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں قدرتی وسائل سے مالامال یہ شہر ترقی اور خوشحالی سے محروم رہا۔ لہٰذا میر قاسم نے مونگیر شہر اور اسکے گرد ونواح کا ازسرنو جائزہ لے کر تعمیر وترقی کا کام شروع کیا۔

سب سے پہلے اس نے ایک مضبوط تین دروازوں والا قلعہ بنوایا جس کی اونچی اونچی فصلیں آج بھی اس پر شکوہ عہد کا پتہ دیتی ہیں۔ اس قلعے کے اندر متعدد عمارتیں بنوائیں اپنے لئے ایک محل اور ایک خفیہ سرنگ کی تعمیر بھی کرائی۔

(۱) پیر نافہ کا مزار

یہاں کی دیواروں پر کتبہ کی کئی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۴۹۷ء میں مغل شہزادہ دانیال یہاں آیا تھا جو پیر نافہ کے عقیدت مندوں میں تھا۔ اسی کے حکم سے اس مقبرے کی تعمیر نو کا کام شروع ہوا۔ لیکن نادانستگی کی بنا پر اس کی دیوار مقبرے پر کھڑی کردی گئی جو بار بار گرتی رہی۔ آخر کار معمار کو خواب میں بشارت ہوئی کہ جتنی دور تک نافے (مشک) کی خوشبو ملے اس کے بعد دیوار تعمیر کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کا نام پیر نافہ پڑ گیا۔

(۲) کشٹ ہرنی گھاٹ

اس قلعے کے مغربی گھاٹ پر تعمیر کیا گیا ایک پختہ گھاٹ ہے۔ جہاں اس یقین کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے کہ انسان کے سب کشٹ (مصیبت) دور ہوجائیں گے۔ یہاں پر خاص وعام کو پوجا اور غسل کی اجازت ہے۔

اس کے بغل میں ایک سرنگ ہے جسے میر قاسم کی تعمیرات میں شمار کیا جاتا ہے سرنگ کا دوسرا دروازہ راج محل ضلع صاحب گنج (سنتھال پرگنہ) (راجدھانی بنگالہ در عہد راجامان سنگھ) میں ہے۔

اس سے متصل میر قاسم کے دو بچوں گل اور صنوبر کا مزار ہے۔ جنہیں انگریزوں نے بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آزادی سے قبل انگریز سپاہی ان کی مزار پر صبح وشام بندوق کی سلامی دیتے تھے۔

کیا ہم انگریزوں سے بھی زیادہ بے رحم ہوگئے ہیں کہ ان کے مزار پر عقیدت کے دو پھول بھی نچھاور نہیں کرسکتے ہیں۔

(۳) پیر پہاڑی

یہ ایک بزرگ شاہ لوہانی کا مزار ہے جو مونگیر شہر سے چند میل کے فاصلے پر پورب کی جانب ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس مزار پر عید الفطر کی ساتویں شب کو فاتحہ خوانی کے لئے میلہ لگتا ہے اس پہاڑی پر بھی ایک سرنگ ہے اور اس میں ایک دروازہ ہے چینی سیاح ہوانگ سوانگ (HUANG-SUAG) نے اپنے سفرنامے میں اس پہاڑی کا ذکر کیا ہے۔

۱۷۶۱ء میں میر قاسم کے سپہ سالار گرگھی خان نے ایک عمارت بنوائی تھی جو مسلم صنعت گری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ آج یہ عمارت دوردرشن کا ریلے سنٹر ہے۔

قلع مونگیر کے اندر موجود تعمیرات درج ذیل ہیں۔

۴۔ گیان درشن (بہار یوگا اسکول) یوگا یونیورسٹی۔

۵۔شہید اسمارک

۶۔ جے پرکاش اودیان (عہد انگلشیہ میں کمپنی باغ)

قلعے کے اندر پولو میدان اب بھی موجود ہے چند اہم تعمیرات کو انگریزوں نے منہدم کرادیا تھا اور ان کی جگہ انگریز حکمرانوں کی رہائش کے لئے نئے مکانات تعمیر کردئے گئے تھے۔ لیکن قدیم عمارتوں کے زمین بوس ہونے کے بعد بھی زیر زمین کمرے / راہ داریاں / شفاخانے / اور مساجد کے باقیات آج بھی نظر آتے ہیں۔ الخ

حوالے:

۱۔صدائے بازگشت، مؤلفہ پروفیسر قیام الدین احمد، لیبل آرٹ پریس پٹنہ ۱۹۸۵ء، ص ۵۵۔
۲۔شرفا کی نگری (تذکرہ صوفیائے بہار، جلد اول) مؤلفہ سید قیام الدین نظامی، ناشر نظامی اکاڈمی، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص۔ ۱۴۳۔ ۱۴۲
۳۔صدائے بازگشت، مؤلفہ پروفیسر قیام الدین احمد، ص ۶۳
۴۔پٹنہ کے کتبے مرتبہ فصیح الدین بلخی ناشر خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۳ء، ص ۶۳
۵۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)
۶۔صدائے بازگشت، مؤلفہ پروفیسر قیام الدین احمد، ص ۵۷۔ ۵۶
۷۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)
۸۔نخلستان (سہ ماہی / جے پور) بابت اپریل۔ جون ۱۹۹۲ء
۹۔بحوالہ الصفا بہار میں راجامان سنگھ کی تعمیرات از سید شاہد اقبال)
۱۰۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)
۱۱۔نخلستان (سہ ماہی / جے پور) بابت جولائی تا ستمبر ۱۹۹۲ء
۱۲۔Raja ManSing of Amber By Dr.R. N Prasad
Publshed By. the world Press Colcutta.1966.Page.No-
146-170-155-163-164-171-144
۱۳۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)
۱۴۔بحوالہ مقالہ: روشنی کے مینار۔ حضرت مخدوم شاہ دولت منیریؒ
مقالہ نگار: مولانا سید شاہ مراد اللہ منیری ندوی / آکاش وانی پٹنہ سے نشرہ شدہ بتاریخ ۳۰۔ نومبر ۱۹۸۴ء
۱۵۔پٹنہ کے کتبے مرتبہ فصیح الدین بلخی ناشر خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۳ء ص ۱۶، ۱۵

۱۶۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)

۱۷۔ روزنامہ قومی تنظیم، پٹنہ مورخہ ۲۱۔اکتوبر ۲۰۰۰ء مقالہ نگار اورنگ آباد کے تاریخی قلعے اور منادر سید قمر العارفین رضوی

۱۸۔صدائے بازگشت، مؤلفہ پروفیسر قیام الدین احمد،

۱۹۔ روزنامہ'' قومی تنظیم، پٹنہ مورخہ ۲۱۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔ ماخوذ از مقالہ اورنگ زیب کے تاریخی قلعے اور منادر از سید قمر العارفین رضوی

۲۰۔نجی معلومات سے تصدیق شدہ (راقم الحروف)

۲۱۔قلع مونگیر سے متعلق معاد اور معلومات کی فراہمی کے لئے راقم الحروف ڈاکٹر اقبال حسن آزاد، ساکن شاہ کالونی (مونگیر) اور حضرت مولانا شاہ لطیف الرحمٰن صاحب، سکریٹری انجمن حمایت السلام، (مونگیر) کا شکر گزار ہے۔

❀❀❀

شعر و ادب:

کلام اقبال میں قرآنی افکار کا پرتو

شمیم ارشاد اعظمی

اقبال ایک ایسی ممتاز اور عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں جن کی شاعری فکروفن اور فلسفہ خودی پر اب تک اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ شاید ہی اس صدی کے کسی رجل عظیم پر اتنی زیادہ توجہ صرف کی گئی ہو تاہم یہ کہنا دشوار ہے کہ ان پر مزید کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں ! اقبال مطالعہ کا ایک ایسا موضوع بن چکے ہیں۔ جس پر آئندہ بھی بقدر ظرف ووسعت بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا۔

سطور ذیل میں ایک طالب علمانہ جائزہ اس موضوع پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کلام اقبال میں افکار قرآنی کی کس حد تک ترجمانی ہے۔ اقبال کے کلام کی اسی خصوصیت نے انہیں شاعر اسلام کا خطاب بھی عطا کیا۔

علامہ اقبال ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایام طفولیت میں گھر پر پائی۔ اس کے بعد مقامی کالجوں میں البتہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انہوں نے لندن تک کا سفر کیا۔ جہاں مغربی ماہرین تعلیم کے زیر نگرانی علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور وہاں رہ کر مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا۔ نیز مغربی طرز معاشرت اور اس کی اقدار کا بھر پور تنقیدی جائزہ لیا۔ کہتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیوان ہے یہ ظلمات ؎
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ سیاست ، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے فکر ملوکانہ کی ایجاد ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن ، اندرون چنگیزی سے تاریک تر ؎
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادی ایمن نہیں شایان تجلی ؎
فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف ؎

علامہ اقبال جہاں ایک عظیم المرتبت مفکر وفلسفی اور ایک بلند پایہ محقق وصاحب طرز ادیب تھے، وہیں وہ قرآن کے شیدائی اور اس کی تعلیمات کے زبردست خوشہ چیں بھی تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

"وہ اصلاً فلسفہ اور اس کے بعد کتب الہٰی کے طالب علم تھے، ان کا مطالعہ نہایت متنوع اور عمیق تھا ؎

اقبال کی فکر چونکہ اسلامی تھی ، اس لئے انہوں نے قرآن کریم کو اپنے فکر کی بنیاد قرار دیا۔ تلاوت قرآن کریم ان کے روزانہ کے معمولات میں سے تھی، تلاوت بآواز بلند کرتے تھے، اور چونکہ تلاوت کے دوران وہ فہم قرآن کا پورا اہتمام کرتے تھے، اس لئے ان کی آواز میں بلا کی سوز اور ان کے دل پر تاثیر کی کیفیت ہوتی تھی،مولانا علی میاں نقوش اقبال میں رقمطراز ہیں:

"اقبال کا قرآن پڑھنا عام لوگوں کے پڑھنے سے بہت ہی مختلف رہا ہے، جیسا کہ خود اقبال نے اپنے قرآن مجید پڑھنے کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کا یہ ہمیشہ کا دستور تھا کہ روزانہ بعد نماز صبح قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے ، اقبال کے والد جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کیا کررہے ہو؟ اقبال جواب دیتے قرآن پڑھ رہا ہوں ، کچھ دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر ایک دن اقبال نے پوچھا ، ابا جان ! آپ مجھ سے

روزانہ پوچھتے ہیں اور ایک ہی جواب دیتا ہوں اور پھر آپ خاموش چلے جاتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم قرآن اس طرح پڑھا کرو کہ جیسے قرآن اسی وقت تم پر نازل ہو رہا ہے، اس کے بعد اقبال نے قرآن برابر سمجھ کر پڑھنا شروع کیا اور اس طرح کہ گویا وہ واقعی ان پر نازل ہو رہا ہے، اپنے ایک شعر میں بھی وہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔'' ۸

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اور ان کی اس کیفیت قرأت وتلاوت سے متعلق مرزا جلال الدین تفسیر اقبال میں یوں رقم طراز ہیں:

''مطالب قرآن پر علامہ اقبال کی نظر ہمیشہ رہتی، پڑھتے وقت کلام پاک کے ایک ایک لفظ کو پڑھتے، بلکہ نماز کے دوران جب بآواز بلند پڑھتے تو بھی آیات قرآن پر فکر کرتے۔ اور ان سے متاثر ہو کر رو پڑتے۔ ڈاکٹر صاحب کی آواز میں ایک خاص قسم کی کشش تھی۔ جب وہ قرآن کریم کو بآواز پڑھتے سننے والوں کا دل پگھل جاتا۔ ۹

علامہ اقبال کا اسلام قرآن سے غیر معمولی شغف کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام سے بھی انتہا درجہ کی والہانہ محبت تھی، ان کی پوری زندگی عشق رسول کی آئینہ دار تھی، ان کا زندہ جاوید کلام اس کا واضح ثبوت ہے۔ اقبال کو گرچہ مدینۃ الرسولؐ میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن انہوں نے اپنے جذبۂ شوق، دل بیتاب اور قوت تخیل کے ذریعہ مجاز کی سرمست فضاؤں میں بار بار اڑانیں بھری ہیں اور ان کی طائر فکر ہمیشہ ایوان رسالت کا طواف کرتی رہی ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف ۱۰

ان کی زندگی کے دن جوں جوں گزرتے گئے۔ ان کا پیمانہ عشق رسولؐ اس طرح

لبریز ہوتا گیا کہ مدینہ کا نام آتے ہی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک پڑتے۔ مولانا ابوالحسن علی فرماتے ہیں:

"جوں جوں زندگی کے دن گزرتے گئے، اقبال کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت والفت بڑھتی ہی گئی، یہاں تک کہ آخری عمر میں جب بھی ان کی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آتا یا مدینہ منورہ کا تذکرہ ہوتا تو اقبال بے قرار ہوجاتے، آنکھیں پُر آب ہوجاتیں، یہاں تک کہ آنسو رواں ہوجاتے یہی وہ گہری محبت تھی جو ان کی زبان سے الہامی شعروں کو جاری کردیتی تھی۔"[۱۱]

علامہ اقبال کی زندگی درویشانہ مزاج شاہانہ اور عمل صوفیانہ تھا، ان پر دنیا کا رنگ بالکل اثر انداز نہ ہوسکا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جبکہ انکا تعلق کتاب الٰہی سے اس قدر جڑا ہوا تھا، اور انکی زندگی عشق رسولؐ سے اس درجہ سرشار تھی کہ لقد کان لکم فی رسول اسوة حسنة:[۱۲] (تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے) کا فرمان الٰہی ان کا منتہائے آرزو تھا۔

اگرچہ علامہ اقبال نے یورپ کی دانشگاہوں اور جامعات میں رہ کر فلسفہ قدیم وجدید کی تعلیم حاصل کی اور ان کا وسیع مطالعہ کیا، لیکن کتاب الٰہی کا مطالعہ اور اسکے اسرار وحکم کی معرفت نے ان کی فکری دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کردیا۔ اور پھر انہوں نے اس کے اظہار وابلاغ کے لئے شعری آہنگ اختیار کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے اقبال کو خاص اسی کام کے لئے ہی منتخب کیا تھا، تاکہ ان کے اس الہامی طرز فکر اور دل آویز شعری پیرایۂ بیان کے ذریعہ دعوت دین کا فریضہ انجام پائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اقبال کا کلام آیات قرآنی کا ترجمان اور سنت نبوی کا بیان ہے۔ جہاں قرآن کے اسرار وغوامض تک پہنچنے اور سنت کی حیثیت واہمیت کو سمجھنے کے لئے نارسا کو تکلف سے کام لینا پڑتا ہے، وہاں اقبال کا کلام باطنی تدبر سیدھی رہنمائی کرتا نظر آتا

ہے۔ پروفیسر رشید الدین قمر طراز ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہبی کتب کے براہ راست مطالعہ سے بعض طبائع واذہان اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنا انہی حقائق کو اقبال کے کلام میں مطالعہ کرکے مطمئن ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اقبال کے مشہور لکچرز (اسلام کی تشکیل نو) میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کو جہاں تہاں تسلیم کرنے میں علماء کو تامل ہوا ہے، لیکن انہی حقائق کو اقبال کی شاعری میں سن یا پڑھ کر بے ساختہ قائل ہوجاتے ہیں اس طرح جیسے وہ نکتے اپنے تمام معارف وبصائر کے ساتھ براہ راست ان پر منکشف ہوگئے ہیں ۱۴"

توحید قرآنی فکر کی بنیاد ہے، پوری کائنات کی فطرت بھی توحیدی ہے۔ (هو الله الذی لاالٰه الاهو ۱۴: وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں) یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال میں توحید ایک مرکزی نقطہ کی حیثیت سے ہمیں ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

خودی کا سر نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاں! لا الٰہ الا اللہ
یہ مال ودولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم وگماں! لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زماں ومکاں زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں! لا الٰہ الا اللہ ۱۵

انسان کی عظمت وسربلندی اسی عقیدہ توحید کو تسلیم کرنے میں ہے۔ (وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ۔۱۷ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے)۔ اقبال کہتے ہیں:

رہے گا تو جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہ ۱۷
نہاد زندگی میں ابتدا "لا" انتہا "الا"
پیام موت ہے جب "لا" ہوا "الا" سے بیگانہ ۱۸
وہ ملت روح جس کی "لا" سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس امت کا پیمانہ ۱۹

اقبال کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت اور جمہوریت ایسے نظام ہائے حیات ہیں جن سے انسانی مسائل حل ہونے کے بجائے مزید الجھتے ہیں اور اس سے بھیانک قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں فرماتے ہیں:

سخت باریک ہیں امراض امم کے اسباب
کھول کر کہئے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی !
دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں فقط اک فلسفۂ روباہی !
ہو اگر قوت فرعون کی درپردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہی ! ۲۰

☆☆☆

فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن
قدم اٹھا ! یہ مقام انتہائے راہ نہیں !

کھلے ہیں سب کے لئے غریبوں کے میخانے
علوم تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں !
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں اگر سوز لا الہ نہیں ۲۱؎

اقبال مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں:

لادینی و لاطینی ! کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الاھو
صیاد معانی کو یورپ سے ہے نومیدی
دلکش ہے فضا لیکن بے نافہ تمام آہو ! ۲۲؎

☆☆☆☆

اپنی ملت پر قیاس ، اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ۲۳؎

☆☆☆

کر بلبل وطاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے ، طاؤس فقط رنگ ۲۴؎

قرآن مجید میں ہے (وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ! ۲۵؎ اور اے نبی اگر تم لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔)

توحید کائنات کی روح ہے اسی سے دنیا میں روشنی ہے قرآن مجید میں ہے۔(اللہ نور السموت والارض ۲۶؎ اللہ آسمان وزمین کا نور ہے۔) اقبال کہتے ہیں:

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے

جہاں روشن ہے نور لا الہ سے
فقط اک گردش شام و سحر ہے
اگر دیکھیں فروغ مہر ومہ سے ۲۷

اقبال کے نزدیک توحید ہی وہ قوت ہے جو مومن کو کارزار حیات میں کامیاب وسرفراز کرتی ہے۔

مرد سپاہی ہے ، وہ اس کی زرہ الا
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ ۲۸

افسوس! آج مومن کا دل اور اس کی نگاہ اس زندہ قوت سے محروم ہے جس کا رونا اقبال نے یوں رویا ہے:

زبان سے کہہ گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے ۲۹
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں ۳۰
زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط اک مسئلہ علم کلام !
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام ۳۱

اقبال مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نغمہ ابھی ہوئی ہے رنگ وبو میں !

خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں !
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ھو میں ۴۲؎

خودی میں ڈوب زمانے سے نا امید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو !۴۳؎

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام !۴۴؎

قرآن شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کرتا ہے۔ (ان الشرک لظلم عظیم: ۴۵؎ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے) کیونکہ شرک ایک ایسا نظریہ و عمل ہے جو فطرت کے خلاف ہے، توحید وحدت اور مرکزیت عطا کرتی ہے۔ جبکہ شرک اس وحدت کو توڑ کر انسانیت کو نسل و نسب ، رنگ و خون ، قوم و وطن میں تقسیم کر دیتا ہے۔

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم !
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم ؟ ۴۶؎

شرک کی قدیم صورتیں آج بھی موجود ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف و عامی تمام بندۂ لات و منات ۴۷؎

اقبال کے نزدیک ''وطن'' تہذیب نو کے تراشیدہ بتوں میں سب سے بڑا خدا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنائی روش لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور ۳۸
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

آگے کہتے ہیں:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے ۳۹

اقبال کے نزدیک دانش فرنگ کی چمک دمک سحر سامری سے کچھ کم نہیں، اور اس سحر کو توڑنے کے لئے ضرب کلیمی ناگزیر ہے: فرماتے ہیں:

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گذر اس عہد میں ممکن نہیں چوب کلیم ۴۰

اور مشتاقانہ انسانیت سے یہ فرنگی غلاظتیں اس وقت تک دور نہیں ہوں گی۔ جب تک کہ کوئی ساقی مئے لاالہ نہیں آجاتا۔ جیسا کہ آج چودہ سو برس پہلے ساقی کوثرؐ نے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔

اقبال کہتے ہیں:

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لاالٰہ الاھو ۴۱

''دانشِ حاضر'' کس قدر ذہنی وفکری انتشار میں مبتلا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے:

جہاں کی روح رواں لاالٰہ الاھو
مسیح ومیخ وچلیپا یہ ماجرا کیا ہے ؟ ۴۲

ایک طرف ابدی اور بدیہی حقیقت ''الاالٰہ الاھو'' کا اقرار تو دوسری طرف غیر اللہ (مسیح ومیخ وچلیپا) کے درپر جبیں سائی، سچ کہا اقبال نے:

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگر چہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات ومنات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات ۴۳

اعلانِ خداوندی ہے کہ (واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان ۴۴: اے نبی میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو اس کی پکار سنتا ہوں۔)

مغرب کے ذہنی انتشار نے خالق ومخلوق کے درمیان ''پیران کلیسا'' کا پردہ حائل کردیا ہے۔

اقبال کہتے ہیں:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو ۴۵

کائنات میں دوہی نظام کارفرما ہیں، ایک الٰہی نظام جس کے داعی انبیاء ورسل۔ دوسرا ابلیسی نظام جس کی نمائندگی فرعون، ابولہب وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ آج کے دور میں مغرب اس کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے:

قرآن مجید میں ہے (أأرباب متفرقون خیرام الله الواحد القهار:٦؎ کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی وغالب؟)

اقبال کہتے ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ۷؎

☆☆☆

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر ورئیس!
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس! ۸؎

☆☆☆

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہوگئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا " وقد کنتم به تستعجلون
"کھل گئے "یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف 'ینسلون ۹؎

(اثم اذا ماوقع آمنتم به آلئن وقد كنتم به تستعجلو-٥٠؎ کیا وہ جب تم پر آپڑے اس وقت تم اسے مانو گے؟ (اس وقت کہا جائے گا) کہ اب بچنا چاہتے ہیں، حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کررہے تھے)۔

قرآن مجید میں ہے ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كأنهم

بنیان مرصوص: (بے شک اللہ کو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔) اقبال کہتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر!
جو کرے گا امتیاز رنگ وخون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر ۵۲
فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں ۵۳

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی زبوں حالی، نکبت اور محکومی کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اسے طاقوں کی زینت بنا کر رکھ دیا ہے یا اسے گلے میں پہننے کا تعویذ بنا دیا۔ اور محض برکت حاصل کرنے کے لئے بغیر سمجھے بوجھے تلاوت کی ایک چیز بنادی۔

زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے! ۵۴
احکام تیرے حق ہیں، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند! ۵۵

قرآن مجید میں ہے (اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم: ۵۶ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا:

اقبال کہتے ہیں:

عطا اسلاف کا جذب دروں کر!
شریک زمرہ لایحزنون کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر ۵۷

سورہ اعراف میں آیا ہے کہ یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے، نہ کسی بادشاہ کی ہے نہ کسی گدا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے اس کا وارث قرار دے (قال موسیٰ لقومه استعینوا بالله واصبروا ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده:۵۸ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔)

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا اقتدار، جاہ ، شہرت ، عزت ، دولت اور عیش و آرام جس سے وہ آج شاد کام ہے اور جس سے وہ لطف اندوز ہو رہا ہے اسے زوال نہیں بلکہ دوام حاصل ہے، تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اس خام خیالی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ تنہا اس کی کوششوں اور صلاحیتوں کا صلہ و ثمرہ ہے، حالانکہ حقیقت شناسی کی راہ میں یہ سوچ آڑے آجاتی ہے کہ مشیت الٰہی کے تحت یہ عطیہ خداوندی ہے۔ غور کیجئے! مندرجہ بالا آیات قرآنی میں کس طرح اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے اور علامہ اقبال نے کس طرح اسے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے ؂

اس سے بڑھ کر اور کیا فکروعمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں ، اللہ کی ہے یہ زمین ۵۹

ایک دفعہ علامہ اقبال کے پاس ایک پیر صاحب ملنے آئے تو فرمانے لگے کہ سرکار کی طرف سے لوگوں کو زمین مل رہی ہے میری طرف سے بھی ایک درخواست لکھ دیجئے ، تا کہ میں بھی پا جاؤں، پیر صاحب کی درخواست کے جواب میں علامہ اقبال نے جو کہا وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہے کہ یہ درخواست کس کے نام لکھنی چاہئے وہ ذرا جھجکے، تو علامہ

نے کہا، ایک مشہور کتاب ہے، جس کا نام قرآن ہے۔ یہ کتاب خدا نے اپنے آخری نبیؐ پر اتاری تھی، جس کا نام محمدؐ تھا، ان کی وفات کو تیرہ سو سال ہو گئے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے۔ اب اگر کہو تو خدا کے نام درخواست لکھ دوں"۔

پیر صاحب پر ان باتوں کا بڑا اثر ہوا، انھوں نے کہا، خدا مالک ہے اس نے پیدا کیا ہے تو کھانے کو بھی دے گا۔ میں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ [10]

قرآن مجید میں ہے (له مافی السموت ومافی الارض ومابينهما وما تحت الثرى : [11]

مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں اور جو مٹی کے نیچے ہیں) اقبال کہتے ہیں:

دہ خدایا ! یہ زمین تیری نہیں تیری نہیں !

تیرے آباء کی نہیں تیری نہیں ، میری نہیں [12]

بارش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کو نازل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا اہتمام فرمایا ہے۔ سورہ ذاریات کی ان آیات کو دیکھئے:

والذاريات ذرواً فالحاملات وقراً فالجاريات يسراً [13]

قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اڑانے والی ہیں۔

پھر پانی سے لدے بادل اٹھانے والی ہیں، پھر سبک رفتاری سے چلنے والی ہیں۔

اس کی ترجمانی اقبال نے یوں کی ہے:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟

کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب ؟

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟

خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب ؟ [14]

قرآن مجید میں ہے (امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماءً فانبتنا به حدائق ذات بهجة ماکان لکم ان تنبتوا شجرها ءَاِله مع الله بل هم قوم یعدلون۔ ۱۵)

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا، کیا اللہ کے ساتھ دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹ کر چلے جارہے ہیں) اقبال کہتے ہیں:

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب ؟
دہ خدایا ! زمین تیری نہیں ، تیری نہیں !
تیرے آباء کی نہیں تیری نہیں میری نہیں ! ۱۶

کائنات کی ہر چیز کو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے۔ آسمان وزمین چاند، تارے، اشجار وانہار، مرغ وماہی وغیرہ سب کو فنا ہونا ہے، باقی رہنے والی کوئی چیز ہے تو صرف رب اعلیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے۔

ارشاد خداوندی ہے (کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام: ۱۷ ہر وہ چیز جو اس سرزمین پر ہے فنا ہوجانے والی ہے۔ اور صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے) آیات کا یہی وہ مفہوم ہے جسے علامہ اقبال نے اپنے لفظوں میں یوں ادا کیا ہے:

ہر شے مسافر ہر چیز راہی
کیا چاند تارے کیا مرغ وماہی ۱۸

جس طرح سمندر میں مدوجزر آتا ہے اسی طرح ہماری انسانی زندگی میں بھی اتار

چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔تغیرات زمانہ سے ہر فرد وقوم کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔تغیر کے یہ واقعات حکمت الٰہی اور اسکے قانون آزمائش کے تحت پیش آتے ہیں، یہاں کسی ایک ہی حالت پر ٹکے رہنا نہ کسی فرد کے لئے ممکن ہے نہ کسی قوم کے لئے۔قرآن مجید کا واضح بیان ہے کہ (تلک الایام نداولھا بین الناس۱۹؎ یہ تو زمانہ کے نشیب فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں) علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یوں پیش کیا ہے:

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں! ۲۰؎

اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کو جن انعامات سے سرفراز کیا تھا، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس نوازش پر اس کا شکر ادا کرتے۔------لیکن انھوں نے ادائے شکر کے بجائے ناشکری کا رویہ اپنایا، اللہ تعالیٰ کی اس باب میں جو سنت رہی ہے وہ اس سے نہ بچ سکے۔حال یہ ہوا کہ رب العزت نے ان پر سیل عرم کا عذاب مسلط کردیا، جس نے ان کے سرسبز وشاداب باغات کو تہس نہس کرکے رکھ دیا۔ اور انکی عقل وفطرت علم وہنر اور حکمت وتدبیر کچھ بھی ان کے کام نہ آسکی۔تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ نہایت سرسبز وشاداب خطۂ ارض تھا، جو یمن سے لیکر شام تک پھیلی ہوئی شاہراہ کے دونوں طرف حسین باغات کی صورت میں تھا، ارشاد باری ہے۔

(فاعرضوا فارسلنا علیهم سیل العرم ۱؎
انھوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر سیل عرم مسلط کردیا)

علامہ اقبال نے قوم سبا کے زوال کی اس عبرت انگیز تاریخ کو اس طرح بیان کیا ہے:

اس سیل سبک سیر وزمین گیر کے آگے
عقل ونظر علم وہنر ہیں خس وخاشاک ۲؎

ارشاد خداوندی ہے:

قل حسبی اللہ علیه یتوکل المتوکلون ۳؎

بس ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اوروں سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے رشتۂ توکل کو استوار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کی تلقین نبی اکرمؐ نے بھی کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ۴؎

"من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بمافی یدیہ ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل۔

"جو شخص چاہتا ہو کہ وہ سب انسانوں سے زیادہ طاقتور ہو جائے اسے چاہئے کہ اللہ پر توکل کرے۔ اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے اسے چاہئے کہ اللہ عزوجل سے ڈرے۔"

اس حدیث کے ایک ٹکڑے کا مفہوم علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے:

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا! ۵؎

اس وقت کا خیال کیجئے جب نبی کریمؐ کے ساتھ شہر مکہ میں گنے چنے صرف چند آدمی تھے، وہ بھی کمزور اور ناقابل لحاظ، اس وقت یہ تصور کرنا محال تھا کہ آپ کا آوازہ دنیا بھر میں بلند ہو سکتا ہے۔ لیکن انھیں ناسازگار حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری سنائی کہ (ورفعنالک ذکرک: ۶؎ اور بلند کیا تیرا آواز) اس وقت یقیناً کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ رفع ذکر مشرکین کی اتنی زبردست مخالفت اور مزاحمت کے باوجود اس شان سے اتنے بڑے پیمانے پر ہوگا، علامہ اقبال نے اس رفع ذکر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے ۷۹

اللہ کا قرب صرف ان لوگوں کو حاصل ہوسکتا ہے، جو ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے ہیں، ایسے صالحین مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر غیر ممنون کی بشارت دی ہے۔

الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون ۔۸۰
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

سورہ نباء میں ہے (ان للمتقین مفازا حدائق واعنابا وکواعب اترابا وکأسا دھاقا لایسمعون فیھا لغوا ولاکذابا :۸۱ یقیناً متقیوں کے لئے کامرانی کا ایک مقام ہے باغ اور انگور اور نوخیز ہم سن لڑکیاں اور چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں کوئی لغو وجھوٹی بات وہ نہ سنیں گے)

(وعندھم قاصرات الطرف عین کانھن بیض مکنون:۸۰ اور ان کے پاس نگاہیں بچانے والی خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی) اور(حور مقصورات فی الخیام :۸۱ خیموں میں ٹھہری ہوئی حوریں۔) اقبال کہتے ہیں:

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر، بادہ وجام سے گذر ! ۸۲

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو انسانوں کے لئے مسخر کیا ہے، اور اس جہان رنگ وبو کی آرائش اس انسان کے لئے ہی ہے، اس دنیا پر انسان فطرت کو اپنی رضا اور اذن کے ساتھ مشروط کردیا ہے۔

الا ان الدنیا خضرۃ حلوۃ الاو ان اللہ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون ۸۳

سنو! دنیا سرسبز و شاداب اور شیریں ہے یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی خلافت عطا فرمائے گا تاکہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ تم کیا کرتے ہو؟

چنانچہ جو لوگ اس کی رعایت رکھیں گے ان کی اس زمین پر خلافت کے استحقاق کو تسلیم کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔(وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحات ليستخلفنهم في الارض۔۸۴ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم لوگوں میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

علامہ اقبال نے اس مفہوم کو اپنے شعر میں اس طرح ادا کیا ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے!۸۵
جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک! ۸۶

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں آدم ثانی کہا جاتا ہے، ان کی شب و روز کی دعوت و ہمدردانہ کاوش و محنت ان کی قوم کو ناگوار گذری۔ اور انہوں نے اپنے اس محسن کے احسان پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ جس قدر وہ ان کے پیچھے پتھ ماری کرتے رہے، اسی قدر ان کی بے نیازی میں اضافہ ہوتا گیا، آخرکار حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے رب کی بارگاہ میں یہ گذارش کرنی ہی پڑ گئی کہ (رب لاتذر على الارض من الكافرين ديارا ۸۷ اے میرے رب تو زمین پر ان کافروں میں سے ایک متنفس کو بھی نہ چھوڑ)

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو غیرت دلانے کے لئے اس تاریخی حقیقت کے حوالے سے اپنے رب سے التجا کی ہے کہ:

دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں ۸۸

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ واقعہ بھی ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ (اتعبدون ماتنحتون ۸۹: کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو) تو اس کے نتیجہ میں وہ آتش کدہ میں ڈال دیے گئے، لیکن مشیت ایزدی کہ وہ آتش کدہ گل گلزار میں تبدیل ہوگیا اور آپ اس سے زندہ وسلامت نکل آئے، یوں اسلام سرفراز اور باطل سرنگوں ہوا۔ علامہ اقبال نے تاریخ کے اس واقعہ کے حوالہ سے مسلمانوں کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ کہتے ہیں۔

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا۹۰

اور:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لاالہ الااللہ ۹۱

نیز علامہ اقبال نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی لوگوں کو دعوت دی ہے، جب انہیں آخری عمر میں اولادی دی جاتی ہے اور یہ فرزند عزیز جب باپ کے ساتھ چلنے پھرنے اور دوڑدھوپ کرنے کے لائق ہوجاتا ہے تو اس نعمت خداوندی کے باب میں جو انہیں آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے۔ (فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یاابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء الله من الصابرین ۹۲

پس وہ جب اس کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا، اس نے کہا! اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کررہا ہوں، تو غور کرلو! تمہاری کیا رائے ہے اس نے جواب دیا کہ اے میرے باپ آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے اسکی تعمیل کیجیے، انشاء اللہ مجھے ثابت قدموں میں سے پائیں گے)

اقبال فرماتے ہیں:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی؟ ۹۳

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ایک ظالم اور سرکش فرمانروا فرعون اور اس کی قوم کی طرف ہوئی تھی، اس لئے بطور تائید دعوت کا آغاز معجزات کے ذریعہ کیا گیا، گرچہ سنت الٰہی معجزات کے بارے میں کچھ اور ہے، لیکن انہیں یہ معجزات فرعون کے ظالمانہ رویے اور اس کی ہٹ دھرمی کے پیش نظر دیے گئے تھے۔ چنانچہ وادی ایمن کی بابرکت سرزمین میں جب اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ تم اپنا عصا ڈال دو اور انہوں نے اس کو زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن گیا۔ اچانک یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ کچھ خوف زدہ ہوئے تو ایک درخت سے یہ آواز آئی (یاموسیٰ اقبل ولاتخف انک من الامنین:)۹۴ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں تم بالکل مامون ہو)

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے مسلمانوں کو اس سنت موسوی کی پیروی کی دعوت دی ہے اور اس پر تائید غیبی کا یقین دلایا ہے۔ فرماتے ہیں:

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی

اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف ۹۵

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک اور معجزہ ید بیضا عطا کیا گیا تھا، اس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ (واضمم یدک الیٰ جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء : ۹۶ اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کی طرف سکیڑ لو وہ وہاں سے سفید ہو کر بغیر کسی مرض کے نکلے گا۔)

اس آیت کے حوالہ سے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک

مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا! ۹۷

دعوت توحید کے پہلو بہ پہلو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ بھی کیا تھا، جو اس کے ظلم وجور کے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔آخرش حکم خداوندی کے تحت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں راتوں رات لیکر چل کھڑے ہوئے اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا، اور جب بنو اسرائیل نے آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دیکھا تو وہ گھبرا گئے ، اور انہیں اپنے گرفتار ہوجانے کا اندیشہ ہوا۔چنانچہ وہ موسیٰ سے الجھ پڑے کہ (انا لمدرکون) ۹۸ ہم تو دھر لیے گئے۔موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اطمینان دلایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے وہ ہمارے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکالا بھی ۔ ارشاد ہے۔

واوحینا الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کاالطور العظیم ۹۹

ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر، یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا عظیم الشان پہاڑی کی طرح ہوگیا۔

علامہ اقبال نے اس واقعہ کے حوالے سے یہ درس دیا ہے کہ

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے ۱۰۰

(محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۱۰۱ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں) یعنی اہل ایمان جہاں باہم صد درجہ نرم ، ہمدرد و غم گسار ہیں وہیں وہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ایک ننگی تلوار ہیں۔ اس کی ترجمانی اقبال نے یوں کی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن ۱۰۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کو انذار فرماتے تو کفار و مشرکین آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا استہزا کرتے اور اس کی تعمیل کا مطالبہ کرتے، اس پر اللہ تعالی نے انہیں متنبہ فرمایا ہے کہ یہ کوئی مطالبہ کرنے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ پناہ مانگنے کی چیز ہے۔ اس لئے کہ ابھی تو مہلت عمل ہے، لیکن جب وہ گھڑی آجائے گی، تب اگر چہ لوگوں کو ہوش آجائے گا مگر اس وقت کے ہوش کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ارشاد خداوندی ہے(فانی لھم اذا جائتھم ذکریٰ ھم:۱۰۴ (جب وہ خود آجائے گی تو اس کے لئے نصیحت قبول کرنے کا کونسا موقع باقی رہ جائے گا) دوسری جگہ ہے(اثم اذا ماوقع آمنتم به الئن وقد کنتم به تستعجلون:۱۰۴

جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے اب بچنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آجانے کا تقاضہ کررہے تھے)

ان آیات کی تصویر علامہ اقبال نے اس طرح کھینچی ہے:

حکمت و تدبیر سے فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا وقد کنتم به تستعجلون ۱۰۵

تخلیق انسانی دوسری تمام مخلوقات سے اشرف اور احسن بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالی نے سورہ تین میں فرمایا ہے۔(لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم: ۱۰۶ (بیشک ہم نے آدمی کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی) اسکے بعد کائنات کی ساری چیزیں انسانوں کے لئے مسخر کردیں(وسخر لکم مافی السموات والارض ۱۰۷)اس نے زمین وآسمان کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کردیں) انسان کو اپنی اس اشرفیت کا ادراک ہونا چاہئے۔

اقبال فرماتے ہیں:۱۰۸

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

حوالہ جات:

۱۔عمر حیات خاں غوری ، اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ ص ۲۰۴،مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۲۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص۲۹۹ ، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۳۔ازمغان حجاز کلیات اقبال ص ۶۶۶، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۴۔ارمغان حجاز کلیات اقبال ص ۶۵۰ ، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۵۔ضرب کلیم ،کلیات اقبال ص ۶۰۲ ، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۶۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۵۳۳، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۷۔مولانا ابو الحسن علی ندوی ، نقوش اقبال ص ۷۲۔۷۳، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۵ء
۸۔مولانا ابو الحسن علی ندوی نقوش اقبال ص ۶۱ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۵ء
۹۔تفسیر اقبال، مصنف بہار الہ آبادی ص ۶۱ جمال پریس ۱۹۸۳ء
۱۰۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۳۲، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۱۱۔مولانا ابو الحسن علی ندوی، نقوش اقبال ص ۵۷۔۵۸،مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۵ء
۱۲۔القرآن سورۃ الاحزاب آیت ۲۱۔
۱۳۔پروفیسر رشید الدین بحوالہ نقوش اقبال ص ۲۴
۱۴۔القرآن سورۃ الاحزاب آیت ۲۱
۱۵۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۲۷۷ ، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ایڈیشن ۱۹۹۳ء

۱۶۔القرآن سورۃ المنافقون آیت ۸

۱۷۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۶۲۷

۱۸۔ایضاً ص ۵۲۵

۱۹۔ایضاً

۲۰۔ایضاً ص ۶۲۰

۲۱۔ایضاً ص ۶۳۹، ۶۴۰

۲۲۔ایضاً ص ۶۳۴

۲۳۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۴۸

۲۴۔بال جبرئیل ایضاً ص ۳۶۸

۲۵۔القرآن سورہ الانعام آیت ۱۱۶

۲۶۔القرآن سورۃ النور آیت ۳۵

۲۷۔ارمغان حجاز از کلیات اقبال ص ۶۷۵

۲۸۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۸۹

۲۹۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۳۷

۳۰۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۴۹۷

۳۱۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۴۸۷

۳۲۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۷۵

۳۳۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۶۲۷

۳۴۔ایضاً ص ۶۲۱

۳۵۔القرآن سورہ لقمان آیت ۱۳

۳۶۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۵۲

۳۷۔ارمغان حجاز ایضاً ص ۶۶۴
۳۸۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۱۶۰ ، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۳۹۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۱۶۰۔۱۶۱ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۴۰۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۵۲
۴۱۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۰۵
۴۲۔ارمغان حجاز از کلیات اقبال ص ۶۶۸
۴۳۔ضرب کلیم ایضاً ایضاً ص ۴۹۹
۴۴۔القرآن سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶
۴۵۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۴۰۲
۴۶۔القرآن سورۃ یوسف آیت ۲۹
۴۷۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۲۳
۴۸۔ضرب کلیم ایضاً ص ۶۰۴۔۶۰۵
۴۹۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۸۹
۵۰۔القرآن سورۃ یونس آیت ۵۱
۵۱۔القرآن سورۃ الصف آیت ۴
۵۲۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۶۵
۵۳۔ایضاً ص ۱۹۰
۵۴۔ایضاً ص ۳۷
۵۵۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۱۲
۵۶۔القرآن سورۃ الفاتحہ آیت ۷
۵۷۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۷۹

۵۸۔القرآن سورۃ الاعراف آیت ۱۲۸
۵۹۔ارمغان حجاز از کلیات اقبال ص ۱۵۵
۶۰۔اردو ڈائجسٹ ہما ۱۹۷۳ء
۶۱۔القرآن سورۃ طٰہٰ آیت ۶۱
۶۲۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۴۱۱
۶۳۔القرآن سورۃ الذاریات آیات ۱-۳
۶۴۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۴۱۱
۶۵۔القرآن سورۃ النمل آیت ۶۰
۶۶۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۴۱۱
۶۷۔القرآن سورہ رحمٰن آیات ۲۶-۲۷
۶۸۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۴۵
۶۹۔القرآن سورہ آل عمران آیت ۱۴۰
۷۰۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۱۶۸
۷۱۔القرآن سورۃ سبا آیت ۴۱
۷۲۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۴۹۱
۷۳۔القرآن سورہ الزمر آیت ۳۸
۷۴۔مولانا صدرالدین اصلاحی، تلخیص تفہیم القرآن ص ۲۱۷، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۴ء
۷۵۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۱۵، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۹۳ء
۷۶۔القرآن سورہ الم نشرح آیت ۴
۷۷۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۰۷

۷۸۔القرآن سورۃ التین آیت ۶
۷۹۔القرآن سورۃ النبا آیات ۳۱۔۳۵
۸۰۔القرآن سورہ الصافات آیت ۴۸
۸۱۔القرآن سورۃ الرحمٰن آیت ۷۲
۸۲۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۲۲۱
۸۳۔جمہرۃ خطب العرب ،عصر صدر الاسلام ص ۱۵۱ المکتبہ اسلامیہ بیروت لبنان
۸۴۔القرآن سورۃ النور آیت ۵۵
۸۵۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۳۲۶
۸۶۔ایضاً ص ۳۵۹
۸۷۔القرآن سورۃ نوح آیت ۲۶
۸۸۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۳۹۷
۸۹۔القرآن سورۃ الصافات آیت ۹۵
۹۰۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۰۵
۹۱۔ضرب کلیم ایضاً ص ۷۷۴
۹۲۔القرآن سورۃ الصافات آیت ۱۰۲
۹۳۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۳۰۶
۹۴۔القرآن سورۃ القصص آیت ۳۳
۹۵۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۳۳۲
۹۶۔القرآن سورۃ طہٰ آیت ۲۲
۹۷۔بال جبریل از کلیات اقبال ص ۳۱۷
۹۸۔القرآن سورۃ الشعراء آیت ۶۱

۹۹۔ایضاً آیت ۶۳
۱۰۰۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۲۵۹
۱۰۱۔القرآن سورۃ الفتح آیت ۲۹
۱۰۲۔ضرب کلیم از کلیات اقبال ص ۵۰۷
۱۰۳۔القرآن سورۃ محمد آیت ۱۸
۱۰۴۔القرآن سورۃ یونس آیت ۵۱
۱۰۵۔بانگ درا از کلیات اقبال ص ۲۸۹
۱۰۶۔القرآن سورۃ التین آیت ۶
۱۰۷۔القرآن سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳
۱۰۸۔بال جبرئیل از کلیات اقبال ص ۳۴۱

جہاد

انوار عباس انوار، الہ آباد

موجودہ دور میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں غلط فہمیوں کی تبلیغ واشاعت کا بازار گرم ہے اور جگہ جگہ اسلامی موضوعات پر پیچیدہ دار گفتگو کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے اوران مباحث سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس بحث میں شریک ہونے کے لئے اسلامی علوم ومعارف سے آگاہی کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جبکہ ان مباحث کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ۔ اگر بات صرف اسلام سے عداوت رکھنے والوں تک محدود ہوتی تو کوئی بات نہ تھی لیکن حقیقی صورتحال یہ ہے کہ ہماری نئی نسل سے وابستہ بعض افراد کو بھی جہاد وشہادت جیسے اسلامی شعائر کی عظمت وفضیلت کا صحیح مفہوم واندازہ نہیں رہ گیا ہے۔ ایسے ماحول میں اسلامی علوم کے ماہرین علماء، شعراء اور دانشوروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ الٰہی احکام واقدار کے سایہ میں انسانی زندگی کو عظمت وسربلندی عطا کرنے کے لئے کی جانے والی ہر بامقصد جدوجہد درحقیقت جہاد کا درجہ رکھتی ہے اور اس راہ میں موت سے ہم آغوش ہوجانا ہی شہادت ہے۔

''جہاد'' عنوان کے تحت لکھا گیا یہ مرثیہ شمالی ہندوستان کے علم دوست وادب پرور شہر الہ آباد کے نوجوان شاعر انوار عباس انوار کی ادبی تخلیق ہے جس کی کامیابی وناکامی کا فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے البتہ تیور یہ بتا رہے ہیں کہ ان کی یہ علمی وادبی کوشش بہرحال رنگ لائے گی ۔ جہاد کے علاوہ آواز، چندہ صغیر، زمین شام غریباں، فاتح کوفہ اور حجت حق نامی موضوعات پر لکھے گئے مراثی عصر حاضر کے دیگر ادبی شاہکاروں سے کم نہیں ہیں۔ اس مرثیہ جہاد کا نصف اول حصہ گذشتہ شمارہ میں شائع ہوچکا ہے اور نصف دوم حاضر خدمت ہے۔"ادارہ"

اللہ کے سامنے جھکے ہوئے سجدے ہیں اور حسین
سہمے ہوئے ڈرے ہوئے بچے ہیں اور حسین
اطفال تشنہ کام کے کوزے ہیں اور حسین
اہل حرم کے دھوپ میں خیمے ہیں اور حسین
سیدانیوں کے سر کی رداؤں کے دھیان میں
تنہا ہیں انحصار یقین وگمان میں

قاسم بھی اب نہیں علی اکبر بھی اب نہیں
عباس سا جری و بہادر بھی اب نہیں
ہاں نونہال زینب مضطر بھی اب نہیں
ننھا سا وہ علی ، علی اصغر بھی اب نہیں

اب ہم نفس نہیں ہے کوئی دور دور تک
مقتل سے تیر آنے لگے ہیں حضور تک

خیمے کے در پہ آئے شہنشاہ مشرقین
آواز دی کہ یک و تنہا ہے اب حسین
باقی ہے کوئی قوت بازو نہ نورعین
کیسے مجھے سکوں ملے، کس طرح آئے چین

مجھ پہ جو جاں چھڑکتے تھے اپنی ، گذر گئے
اے بی بیو! یہ جان لو اب ہم بھی مرگئے

زینب ! جہاںمیں کوئی ہمارا نہیں رہا
دل کا سکون ، آنکھوں کا تارا نہیں رہا
اب زندگی سے کچھ مجھے پیارا نہیں رہا
جزاک خدا کسی کا سہارا نہیں رہا

راہ خدا میں جان گنوالوں تو چین آئے
اقدار زندگی کو بچالوں تو چین آئے

ٹکڑے جگر کے ہو چکے دل داغ داغ ہے
بے نور ہے جو آنکھ تو گھر بے چراغ ہے
خالی گلوں سے آج جو دامان باغ ہے
فصل خزاں کا عرش کے اوپر دماغ ہے
مانند برگ خشک ہوں شاخ شجر پہ میں
پھر بھی چڑھا ہوں بادِ خزاں کی نظر پہ میں

بھائی کا بین سن کے پھٹا جاتا تھا جگر
تکتی تھی وہ حسین کا چہرہ بچشم تر
لاتی تھی جب سخن کوئی اپنی زبان پہ
رہ جاتے تھے لب اس کے فقط کانپ کانپ کر
بارالم سے صبر کی چھاتی جو پھٹ گئی
چلا کے بھائی شاہ سے زینب لپٹ گئی

بولے حسین دیکھ کے زینب کا حال زار
بنت علی ہے خواہر عباس نامدار
خود کو سنبھالو بھائی سے تم کو اگر ہے پیار
دیکھو تمھیں قسم ہے نہ ہو اتنی بے قرار
تم کو سنبھالنا ہے یہ گھر، گھر کے بار کو
زینب ہمارے بعد تمھیں ذمہ دار ہو

آنسو ہمارے واسطے ہرگز نہ تم بہاؤ
بیواؤں کو تسلی دو بچوں کو چپ کراؤ
جاؤ گلے سے جا کے یتیموں کو اب لگاؤ
عباس بن کے خوف کے ماروں کا دل بڑھاؤ

جب تم ملول ہوگی ، رہوگی تمہیں اداس
آفت میں ٹوٹ جائے گی آفت زدوں کی آس

اس دختر رسول کی گودی کی ہو پلی
جو مثل شمع خانۂ حق عمر بھر جلی
عباس کی بہن ہو علی کی ہو لاڈلی
کیوں اختیار تم کو ہے کیوں تم کو بیکلی

ان آنسوؤں کو پونچھ کے ہمت سے کام لو
آواز فاطمہ کو دو حیدر کا نام لو

کرب و بلا کچھ اور ہے کچھ اور رنج و غم
بانی یہ ظلم وجور کے لینے نہ دیں گے دم
آفت ہے گام گام مصیبت قدم قدم
دیکھو تمہارے صبر کا ہو حوصلہ نہ کم

دشوار منزلوں سے گذرنا تمہیں کو ہے
جو کام ہم سے چھوٹا ہے کرنا تمہیں کو ہے

بھوکوں کو اور پیاس کے ماروں کو دیکھنا
بے نور کی نگاہ کے تاروں کو دیکھنا
شعلوں کو اور ان کے شراروں کو دیکھنا
جلنے نہ پائیں ، تم مرے پیاروں کو دیکھنا

سینے پہ میری بچی کو اب تم سلائیو
بالی سکینہ روٹھے تو اس کو منائیو

عاجز ہے جسم زار چلی جارہی ہے جاں
اٹھتا ہے دم بدم دل سوزاں سے اب دھواں
ہم جارہے ہیں رن کو رہے تم کو اس کا دھیاں
محنت تمہارے بھائی کی جائے نہ رائیگاں

اے فاطمہ کی لخت جگر جارہے ہیں ہم
اب تم ہو اور تمہارا یہ گھر جارہے ہیں ہم

ہر قلب سوگوار ہے ، ہر چشم اشکبار
پارے کی طرح غم سے ہر اک دل ہے بیقرار
دُلدل پہ ہو رہے ہیں شہ ذی حشم سوار
رخ سے عیاں ہے زینب مضطر کے حال زار

آنکھوں میں نم ہے دل ہے پریشاں جگر ہے داغ
چہرہ ہے جیسے صبح کا بجھتا ہوا چراغ

کر کے سوار لختِ دلِ بوتراب کو
زینب دعائیں پڑھتی ہیں تھامے رکاب کو
ملتی ہے شہ کے پاؤں سے چشم پر آب کو
فضہ کھڑی ہوئی ہے سنبھالے رباب کو
اہلِ حرم کی رنج سے حالت تباہ ہے
سب جانتے ہیں آخری دیدار شاہ ہے

سیدانیوں کو دیکھ کے کہنے لگے امام
اے مبتلائے رنج و غم و ظلم ، تشنہ کام
قصہ ذرا سی دیر میں اپنا بھی ہے تمام
سونپا تمہیں خدا کو تمہیں آخری سلام
فضہ پکاری فاتح بدر و حنین آؤ
مرنے کو جا رہا ہے تمہارا حسین آؤ

بہرِ دفاع لختِ دلِ مرتضیٰ چلے
جبریل پر بچھاتے ہوئے جا بہ جا چلے
ہمراہ دل کے ٹکڑے کے بدرالدجا چلے
کل انبیاء پکارتے وا حسرتا چلے
سولہ پہر گذر گئے پانی پیئے ہوئے
لیکن ہے موج عزم جوانی لئے ہوئے

دلدل ہوا کے دل کو لبھاتا ہوا چلا
دشت بلا کی خاک اڑاتا ہوا چلا
مغموم تھا سو اشک بہاتا ہوا چلا
محشر خرام چال دکھاتا ہوا چلا
دوڑا جو تیز دشت میں آنکھیں نکال کے
رکھا قدم سنبھل کے اٹھایا سنبھال کے

میداں میں جا کے شہ نے جو دیکھا ادھر ادھر
اہل ستم کے کانپ اٹھے خوف سے جگر
ہاتھوں چھوٹ چھوٹ کے گرنے لگی سپر
اللہ رے یہ ہیبت شبیر کا اثر
ٹھنڈے جنون ہو گئے اور سرد جوش سب
مقتل میں کانپنے لگے ترکش بدوش سب

بولے حسین لخت دل مرتضیٰ ہوں میں
نور نگاہ حضرت شمس الضحیٰ ہوں میں
اے اہل کیں سکون دل فاطمہ ہوں میں
ہاں ہاں سوار دوش رسول خدا ہوں میں
میں ہوں علی کا لال جگر گوشہ بتولؑ
سجدے کو طول دیتے تھے میرے لئے رسولؐ

کیوں تم نے کردیا میرے گھر بار کو تباہ
کیوں چپ ہو منھ سے بولو بتاؤ مرا گناہ
نظریں اٹھاؤ مجھ سے ملاؤ ذرا نگاہ
محشر میں کیا دکھاؤ گے منھ مصطفیٰ کو آہ

کیا یہ جواب دوگے شہ مشرقین کو
آئے ہیں قتل کرکے تمہارے حسین کو

کیوں چپ ہو، کیوں خموش ہو، بولو، جواب دو
تم سے سوال کرتا ہوں، مجھ کو، جواب دو
بہر خدا زبان کو کھولو! جواب دو
اپنا برا بھلا ذرا سوچو، جواب دو

یہ رنگ ہے، یہ طور، مسلماں کا یہ سلوک
آل نبی سے صاحب قرآں کا یہ سلوک

ایسے کھڑے ہوئے ہیں ستم گر چہار سو
مجرم ہو جیسے منصف عادل کے روبرو
دیکھا جو شاہ دین کو مصروف گفتگو
نکلا تڑپ کے ایک بد اختر سیاہ رو

بولا فریب خلد بریں میں نہ آئیو
دولت اگر ہے پاس تو سب کچھ ہے بھائیو

اک ساتھ تیر و نیزۂ و خنجر کھڑک اٹھے
غل پڑ گیا پیادوں میں گھوڑے بھڑک اٹھے
آگے بڑھے نقیب ، نگاڑے کڑک اٹھے
کانپے جگر سپاہ کے اور دل دھڑک اٹھے
کچھ بد شعار گھوڑوں کو آگے بڑھا کے آئے
پھر تیر شاہ دیں کی طرف سنسنا کے آئے

گھوڑوں کی بھاگ دوڑ سے زمیں اٹھا غبار
آگے سمت کے آنے لگی فوج کی قطار
تلوار کو نکال کے شہ بولے نابکار
اے بے شعور و بے عمل و خوار و بدشعار
دشت وغا میں ابن علی سے وغا کا شوق
آفت میں ڈال دیگا تجھے اس بلا کا شوق

رن میں چلی جو تیغ تو جادو سا چل گیا
برق تپاں سے خرمن اشرار جل گیا
آیا جو بڑھ کے سامنے وہ بد محل گیا
تن بار سر کو پھینک کے آگے نکل گیا
دل کو جگر کی جسم کو جاں کی خبر نہیں
اک دوسرے کو کہتا ہے تو معتبر نہیں

تل کھاکے آئی ڈس کے وہ ناگن نکل گئی
بند غرور توڑ کے پرفن ، نکل گئی
یکسر اتارتی ہوئی گردن نکل گئی
صف سے اجاڑ کرتی ہوئی رن نکل گئی
جب موت بن کے تیغ کے جوہر بکھر گئے
بہر خراج رن میں تن و سر بکھر گئے

تیروں میں جب درآئی تو پر ٹوٹنے لگے
برچھی سے خوں بھرے ہوئے پھل چھوٹنے لگے
نیزے گرہ سے اپنا گلا گھوٹنے لگے
آپس میں لڑ کے سنگ کے سر پھوٹنے لگے
حملے جو پے بہ پے ہوئے اس جوڑ بند کے
تنگ آکے ہانپنے لگے حلقے کمند کے

تھا اک لعین بضد جو اجل سے ملاپ پر
آپڑنا چاہتا تھا وہ پیچھے سے آپ پر
پلٹے شہ امم دبے قدموں کی چاپ پر
سر اس کا اڑ کے آپڑا دلدل کی ٹاپ پر
چشم زدن میں جب سر مغرور کٹ گیا
بے اختیار خاک سے لاشہ لپٹ گیا

اس صف سے آئی آکے گئی اس قطار پر
شہباز جیسے ٹوٹ پڑا ہو شکار پر
برچھی، کبھی کماں، کبھی نیزہ ہے دھار پر
بارش سروں کی ہوتی ہے اک ایک وار پر

ہاتھ ایک پر جو مارا تو خود چار لگ گئے
پل بھر میں جیسے کشتوں کے انبار لگ گئے

چمکی کمر پہ، سینے پہ آئی ، لیا وہ سر
سینہ ہوا شگافتہ ٹکڑے ہوا جگر
باگیں کٹیں ، سوار وہ الٹا زمین پر
تیزی سے ختم ہوگیا رفتار کا سفر

مقتل میں کون کس کو بتائے کہ کیا ہوا
دیکھی ہوئی تھی ضرب نہ حملہ سنا ہوا

در آئی نیزہ بازوں میں ، بھالوں پہ جاپڑی
گذری کماں سے برچھیوں والوں پہ جاپڑی
تیغوں کو روندتی ہوئی ڈھالوں پہ جاپڑی
رزق حرام وحش کے پالوں پہ جاپڑی

مقتل کا جام بھرگیا خون حرام سے
کیا اور کوئی جنگ کرے گا امام سے

دین خدا کے دشمنو ٹھہرو قدم جماؤ
میدان میں نیزہ بازی کے جوہر تو کچھ دکھاؤ
لاؤ قصاص سرخیٔ خون صغیر لاؤ
مارا ہے کس طرح مرے عباس کو بتاؤ
تم نے زمیں پہ عرش کا پایہ گرا لیا ہے
تشنہ دہن کو تیغ کا پانی پلایا ہے
ہم نے اٹھائی قاسم گلگوں قبا کی لاش
حر جری کی، جون نبرد آزما کی لاش
انصار کی، عزیز کی اور اقربا کی لاش
یعنی ہر ایک واقف رمز بقا کی لاش
ہم پر کئی دنوں سے ستم ڈھارہے ہو تم
اب اپنی لاش لے کے کہاں جارہے ہو تم
ہر سمت ہے یہ شور، کہ بچ کر نکل چلو
ہوگا ڈسا نہ تیغ کا جانبر نکل چلو
تلوار پھینک دو مغفر نکل چلو
ڈھالوں میں سب چھپائے ہوئے سر نکل چلو
آفت کا ہے قتال قیامت کا رن ہے یہ
دشت غم و الم ہے بلاؤں کا بن ہے یہ

بھاگے لعین چیختے مولا اماں اماں
یہ تیغ پھینکی ، پھینکا وہ بھالا اماں اماں
اے ذی وقار و افضل و اعلیٰ اماں اماں
اے لافتیٰ وحید والا اماں اماں

منھ تک رہے ہیں آپ کا سب راہ بند ہے
ہم پر تو بھاگنے کی بھی اب راہ بند ہے

آواز آسمان سے آئی حسین بس
اے ورثہ دار فاتح بدروحنین بس
اے فاطمہ کے لخت دل و نور عین بس
بس اے سوار دوش شہ مشرقین بس

اک امتحان اور بھی باقی ہے دھیان دو
فرزند مرتضیٰ کے ہو سجدے میں جان دو

شدت کی دھوپ گرم، ہوا ضعف تشنگی
ہنگام جنگ، فوج عدو بھاگتی ہوئی
معراج کربلا میں ہوئی یوں جہاد کی
لبیک کہہ کے شاہ نے تلوار روک لی

یہ ماجرا جو دیکھا کہ روکے ہیں تیغ شاہ
واپس پلٹ کے آئی بھاگی ہوئی سپاہ

چاروں طرف سے گھر گئے آقائے ذی حشم
تعداد بڑھتی جاتی ہے فوجوں کی دم بدم
بانی ظلم و جور ہیں آمادۂ ستم
کھاتے ہیں زخم تیغ و سناں کے شہ امم
دل داغ داغ اور بدن چاک چاک ہے
تر خون سے قبا ہے عمامے پہ خاک ہے

غل ہے پرے جماؤ صفوں کو سنوار لو
نیزے اٹھاؤ تیغ و سناں دھار دار لو
مہلت نہ پائے ، جسم سے اب سر اتار لو
انسانیت نواز مسافر کو مار لو
یہ آخری ہے معرکہ اس کو بھی سر کرو
حملہ تمام سمت سے پھر گھیر کر کرو

نیزہ کوئی لگاتا ہے قبلہ کی پشت پر
سینے پہ مارتا ہے کوئی تیر تاک کر
تشنہ دہن کا سارا بدن ہے لہو سے تر
زخموں سے چور ہے اسد اللہ کا پسر
شکر خدا کے واسطے وا ہیں دہن ہزار
حق دشمنوں میں گھر گیا اک مرد حق شعار

سینے پہ ہیں لگے ہوئے زخم اور جبیں پہ زخم
کعبہ پہ زخم اور کتاب مبیں پہ زخم
بڑھتے ہیں دم بدم بدن شاہ دیں پہ زخم
لگتے ہیں قلب پاک شہ مرسلیں پہ زخم
ڈوبی ہوئی سی نبض ہے دل بھی نڈھال ہے
نازوں سے جو پلا تھا اسی کا یہ حال ہے

نیزے ہیں اور گرد، تو تیغیں ہیں آس پاس
تشنہ دہن کے خوں سے بجھاتے ہیں سنگ پیاس
زلفیں اٹی ہیں گرد میں ، روئے مبیں اداس
لب خشک ،دل ہے داغ ، مگر جمع ہیں حواس
غش کھاتے ہیں کبھی تو کبھی چونک جاتے ہیں
گھوڑے پہ شاہ کون و مکاں ڈگمگاتے ہیں

زہرا پکارتی ہے کہ اے قوم پُر دغا
کیوں قتل میرے لال کو کرتے ہو بے خطا
فرزند مصطفیٰ ہے یہ ، حیدر کا لاڈلا
کیا کچھ تمہارے دل میں نہیں خوف کبریا
دشمن ہو کیوں ریاض نبی کے بہار کے
کیا پاؤ گے غریب مسافر کو مار کے

بیکس ہے تشنہ کام ہے، غربت زدہ ہے یہ
بے مونس و رفیق ہے، بے اقربا ہے یہ
بے جرم و بے قصور ہے یہ بے خطا ہے یہ
گلزار پنجتن میں فقط گل بچا ہے یہ
تلواریں روکو، شق نہ کرو آسمان کو
کیوں پنجتن سے کرتے ہو خالی جہان کو

دل پہ ہجوم غم ہے، پریشان حال ہے
سب جسم سر سے تا بہ قدم خون سے لال ہے
گھوڑے پہ اب مزید سنبھلنا محال ہے
زہرا کے آفتاب پہ وقت زوال ہے
روئے زمیں پہ شہہ عرش افتخار آئے
جبریل کہہ کے بیٹھ گئے فرط غم سے ہائے

زہرا نے بڑھ کے گود میں شبیر کو لیا
آئے علی بحال پریشان برہنہ پا
روتے ہیں حال شہ پہ شہنشاہ انبیاء
کرتے ہیں کربلا میں تمام انبیاء بکا
اک کرب و اضطراب میں کوثر کے جام ہیں
صحرا میں سر بسجدہ شہ تشنہ کام ہیں

رکھے ہیں شاہ سجدۂ معبود میں جبیں
سکتہ میں آسمان ہے، سکتہ میں ہے زمیں
تیغ ستم لئے ہوئے آگے بڑھا لعین
زہرا لپٹ کے شاہ سے چیخی نہیں نہیں
روئے علی رسول کا دل غم سے پھٹ گیا
زہرا کی گود میں سر شبیر کٹ گیا

تاعرش مادر شہ دیں کی بکا گئی
برسا فلک سے خون زمیں تھرتھرا گئی
بدلی غموں کی سارے زمانے پہ چھا گئی
زینب درخیام پہ گھبرا کے آگئی
دیکھا کہ سر ہے نیزہ پہ بھیا حسین کا
اور خاک پہ تڑپتا ہے لاشہ حسین کا

اہل حرم میں ماتم سرور ہوا بپا
جبریل خاک اڑانے لگے رن میں جابجا
واحسرتا کی گونج اٹھی ہر طرف صدا
کرب و بلا میں کرتے ہیں اہل جناں بکا
انوار جانے کتنی فسردہ غریب ہو
اب دیکھو کب سکینہ کو سونا نصیب ہو

☆☆☆☆